رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۶

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

ایڈیٹر:- میر قاسم علی احمدی

شرح چندہ

فاروق

قادیان

تاریخہائے اشاعت ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸

جلد ۲۲	قادیان دارالامان مورخہ ۱۲ و ۱۹ / ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱ / ۲۸ جولائی و ۱۷ اگست ۱۹۳۷ء	نمبر ۱۵-۱۶-۱۷

OFFICE OF
PRIVATE SECRETARY
8 JUL 1937

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فتنہ پردازوں سے خطاب

(از اسلم بی۔ اے قادیان)

(۱) دلوں کو مستِ سرورِ دوام رہنے دے
نبیؐ کے منہ میں خدا کا کلام رہنے دے

(۲) جنابِ شیخ! نہ دے درسِ الفتِ "کامل"
تو میرے عشقِ حقیقی کو "خام" رہنے دے

(۳) جو ہو رہا ہے ترے دل پہ آج کل القاء
تو اپنے پاس وہ "زریں" پیام رہنے دے

(۴) فریبِ نفس نہ تجھکو ہلاک کر ڈالے
جو بن چکا ہے اسی کو امام رہنے دے

(۵) نہ ہو تو چند کتابوں کے علم پر نازاں
نبیؐ کے علمِ لدُنّی کو عام رہنے دے

(۶) نہ کر فساد یوں برپا خدا کی بستی میں
تو قادیان کو دارالسلام رہنے دے

(۷) چلا نہ تیرِ مطاعن خدا کے پیاروں پر
تو کچھ تو عزتِ خیر الانامؐ رہنے دے

(۸) اُلجھ نہ ہم سے کہ ہم ہیں مسیحؑ کے خادم
نہیں ہے ہم سے تجھے کوئی کام۔ رہنے دے

(۹) تجھے غرور و تکبر ترا مبارک ہو!
گدائے در کو نیاز التیام رہنے دے

(۱۰) نہ چھیڑ بادۂ عرفاں کی ہجو اے ناداں!
مِرے لئے تو یہی مے کا جام رہنے دے

(۱۱) غرور چھوڑ کے گر حق کے در پہ اے مصری!
منافقین کو بالائے بام رہنے دے

(۱۲) جسے خدا نے مؤید کیا ہے نصرت سے
اسی کے ہاتھ میں دل کی زمام رہنے دے

---

(۱) محمود میرزا پہ جو رحمت خدا کی ہے
حسّاد جل رہے ہیں یہ قدرت خدا کی ہے
احمدؐ کو چھوڑ کر وہ ہوئے ہیں ذلیل و خوار
مذہب سے ارتداد بھی لعنت خدا کی ہے

---

(۲) خدا کی بستی کو چھوڑ دو تم حسد کا سینے میں داغ لے کر
پھرا کرو ہر چہار سُو گر درِ راہ سے پُر دماغ لے کر
تمام چہروں کو دیکھ ڈالو تمام دنیا کو چھان مارو
نہ کوئی اس جیسا مل سکے گا تلاش کر لو چراغ لے کر

---

(۳) ہو گئی ہے ظلمتِ عصیاں سے عاری زندگی
کسقدر ہے رشک کے قابل ہماری زندگی
خاک بن کر حضرتِ محمود کے قدموں کی ہم
خدمتِ اسلام میں کاٹیں گے ساری زندگی

---

(۴) روشن ہوئی ہے شمعِ خدا قادیان میں
جو بڑھ گئی ہے مہرِ منور سے شان میں
شرما کے ماہتاب نے دنیا سے یوں کہا
محمود سا نہ پاؤ گے سارے جہان میں

---

(۵) تشنہ لبوں کو ساغرِ عرفاں پلا دیا
اللہ نے علوم کا دریا بہا دیا
کیوں اعتراض کرتے ہو تم اے منافقو
جس کو خدا نے چاہا خلیفہ بنا دیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سلسلہ کی خبریں

(۱) ۴ اگست سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے گلے میں درد کی شکایت ہے۔ احباب صحت کامل کے لئے دعا فرماویں۔

(۲) ۴ اگست حضرت ام المؤمنین سلمہا اللہ تعالےٰ مدظلہا کی طبیعت بھی ناساز ہے۔ خدا شافی مطلق سے صحت عاجل و کامل کے لئے دعا فرما کر ثواب حاصل کریں۔

(۳) ولادت۔ میرے بچے میاں مشتاق احمدؐ صاحب ایم۔ ایس۔ سی سلمہ اللہ کو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے ۲۲ جولائی شب جمعہ دس گیارہ بجے شب کے درمیان دوسری دختر نیک اختر عطا فرمائی ہے۔ احباب دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ مولودہ مسعودہ کو ہمارے لئے قرۃ العین اور اپنی ذات میں صالحہ ہو کر صالحات کی یادگار اور باعمر ہو۔ لڑکی کا نام بشریٰ رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ۔

(۴) دعائے صحت۔ مکرم محترم اخویم اخوند محمدؐ اکبر خاں صاحب ایچ۔ وی۔ سی منٹگمری علیل ہیں۔ اور بیماری سے سخت کمزور ہو گئے ہیں۔ احباب اپنے عزیز بھائی کی صحت کامل و درازی عمر کے لئے دعا فرماویں۔

(۵) تعلیم الاسلام ہائی سکول و دیگر احمدیہ مدارس دارالامان میں ۳۰ جولائی ۳۷ء سے دو ماہ کی تعطیلات ہو گئی ہیں۔

ضروری اطلاع

جن احباب نے وی پی واپس کئے ہیں۔ اور جن کے ذمہ فاروق کا بقایا ہے۔ اور جن کو بذریعہ کارڈ بھی عرض کیا گیا ہے۔ وہ سب اپنے اپنے ذمہ کا بقایا معہ اخراجات وی پی ارسال فرما کر ثواب حاصل کریں۔ فاروق کے لئے احباب کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ مطلق توجہ نہیں رہی۔

نوٹ کرلیں

فاروق کا اگلا پرچہ بھی وقت پر شائع نہ ہوگا۔ اسکی وجہ فاروق کے فنڈ کی کمی اور زیر باری ہے۔ اللہ رحم کرے۔ آمین۔

دوسری اطلاع

یہ پرچہ بوجہ اس ضروری تقریر کے شائع کرنے کے جو مخرجین جماعت میں سے ملتانی صاحب کے متعلق حضور نے فرمائی ہے۔ تین ہفتہ کا اکٹھا شائع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تقریر ایک پرچہ میں آنی مشکل تھی۔ اس لئے ۲۱ و ۲۸ جولائی کا پرچہ ۷ اگست کے ساتھ ملا کر شائع کیا جاتا ہے۔ جو بجائے ۳۶ صفحوں کے ۴۰ صفحہ کا ہے

مولوی عمر الدین صاحب شملوی کے متعلق ایک ضروری اعلان

احباب جماعت کو معلوم ہے۔ کہ مصری صاحب اور ان کے ساتھیوں نے سخت اشتعال انگیز پروپیگنڈا سلسلہ احمدیہ اور اس کے امام کے خلاف جاری کر رکھا ہے۔ اس پروپیگنڈا کا کوئی تعلق پیغامیوں کے ساتھ نہ تھا۔ لیکن وہ اپنی پرانی عادت اور عداوت کے ماتحت بلاوجہ اس فتنہ کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ اور اسی دن سے ان کے مبلغ مولوی عمر الدین صاحب بار بار قادیان آرہے ہیں۔ اور اب سنا گیا ہے۔ کہ مولوی عمر الدین صاحب مستقل طور پر یہاں رہیں گے۔ یا اکثر ان لوگوں کی امداد کے لئے آیا کریں گے۔ اس وقت تک مولوی عمر الدین صاحب کے مقاطعہ کا اعلان جماعت کی طرف سے کوئی نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کا قادیان میں آنا صرف مذہبی رنگ میں تھا۔ لیکن اب چونکہ ان کی آمد ایک گندے اور غیر شریفانہ فتنہ کی امداد کیلئے ہے۔ اور جماعت میں فتنہ ڈلوانے کی نیت سے ہے۔ احباب کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ ان حالات کے پیش نظر ضلع گورداسپور کی حدود میں کسی احمدی کا ان سے بات کرنا یا اور کسی قسم کا تعلق رکھنا آئندہ کے لئے ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

قادیان ہمارا مقدس مقام ہے۔ اور اسکو ایسے فتنوں کی آماجگاہ بننے سے روکنا ہر مخلص احمدی کا فرض ہونا چاہیئے۔ پس میں امید کرتا ہوں۔ کہ تمام احباب اس بارے میں امور عامہ سے پوری طرح تعاون کریں گے۔ اور اگر کوئی اس حکم کو توڑے۔ تو اسکی فوراً رپورٹ کریں گے۔ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ جو شخص اس موقعہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بھی سلسلہ کے امن کو خطرہ میں ڈالنے والوں سے تعاون کرے گا۔ مجبوراً سلسلہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ وہ شخص بھی دل میں ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ اور نظام سلسلہ احمدیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(ناظر امور عامہ قادیان)

قوت مردانہ اور مایوس مریضوں کی سچی رفیق

خطہ بنگال کی مشہور و معروف دوا یادگار بنگالی

امرت بوٹی رجسٹرڈ

ساٹھ بوٹیوں کا جوہر یادگار بنگالی

امرت بوٹی ان نوجوانوں کے لئے آب حیات سے کم نہیں۔ جنہوں نے عالم شباب میں خود اپنے ہاتھ سے یا کثرت جماع سے موتیوں کے برابر تولنے والی مردانہ طاقت کو زائل اور برباد کر ڈالا ہو۔ یا ان عمر رسیدہ لوگوں کے لئے اکسیر نایاب ہے۔ جن کی امنگیں بدستور قائم ہوں۔ مگر جسم اور اعضائے مخصوص کے پٹھوں سے اصلی طاقت خارج ہو چکی ہو۔ امرت بوٹی کا سب سے اول اثر معدہ اور جگر پر ہوتا ہے۔ اسکے استعمال سے جریان کثرت احتلام سستی کمزوری دور ہو کر پانی کی طرح پتلی اور بہتی ہوئی قوت مردانہ شہد کی طرح گاڑھی ہو جاتی ہے۔ جوش جوانی کا لطف اٹھانے والے امرت بوٹی استعمال کریں۔ ۱۰۰ گولی کی شیشی ۱۲/ ۵۰ گولی ۶/ ۲۵ گولی ۳/ مریض کے حالات پہنچنے پر امرت طلاء جو بالکل بے ضرر ہے شیشی کلاں ۲/ نصف شیشی ۸/ روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر احمدیہ نوجوان فارمیسی جالندھر کینٹ پنجاب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

جلد ۲۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۱/۲۸ جولائی و ۱ر اگست ۱۹۳۷ء | نمبر ۱۵-۱۶-۱۷

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت اہم تقریر

جماعت احمدیہ کے خلاف تازہ فتنہ میں میاں فخر الدین صاحب ملتانی کا حصہ

۲۶ر جون ۱۹۳۷ء کو میاں فخر الدین صاحب ملتانی کے جماعت احمدیہ سے اخراج کے سلسلہ میں مسجد اقصیٰ میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سورۃ النساء کے رکوع سات کی آیات ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا سے شروع کر کے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم تک تلاوت کرنے کے بعد حسب ذیل تقریر فرمائی:-

مومن کی پیدائش ایک منفرد پیدائش نہیں ہوتی۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے

ایک زنجیر کی کڑی

بنایا ہے۔ ایک کافر جب اپنے وجود کو دیکھتا ہے۔ تو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کہ فلاں کام کا نتیجہ میرے حق میں کیا نکلے گا۔ لیکن مومن اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کہ اس کام کا نتیجہ اس زنجیر کے حق میں کیا ہوگا۔ جسکی وہ ایک کڑی ہے۔ بے شک ایک لوہے کی کڑی اگر مضبوط سے مضبوط اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہو۔ تو بھی دو چار یا پانچ روپیہ میں مل جائیگی لیکن اگر وہ اس زنجیر کا ایک حصہ ہے۔ جو شاہی خزانہ کے صندوق پر بندھی ہوئی ہے۔ تو اسکی قیمت بہت بڑھ جائیگی۔ اور اسی نسبت سے اسکی کڑیوں کی قیمت بھی بڑھ جائیگی۔ اگر تو وہ ایک الگ کڑی ہوتی۔ تو اس کے کٹ جانے سے اول تو چند آنوں کا نہیں تو دو چار یا پانچ روپیہ کا نقصان ہوتا۔ لیکن اس زنجیر کا حصہ ہونے کی صورت میں جو خزانہ کے بکس کے اردگرد لپٹی ہے۔ ٹوٹ جانے کی صورت میں کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوگا۔ اس لئے دونوں کڑیوں کی ذمہ واری بالکل اور ہے۔ دونوں کی اہمیت ایک نہیں۔ الگ الگ ہونے کی صورت میں ان کی قیمت ایک ہے۔ مگر زنجیر میں داخل ہو کر ایک کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ

تم خدا کی فوج کے سپاہی ہو

اور اگر انفرادی طور پر تمہارے اندر خلل واقع ہوگا۔ تو اس سے ساری فوج میں خلل آئے گا۔ دنیا میں ہزارہا ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ ایک زبردست فوج صرف اس وجہ سے شکست کھا گئی کہ اس کے چند سپاہیوں نے کمزوری دکھائی۔ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگے۔ جس سے خلا پیدا ہو گیا۔ اور دشمن کو رستہ مل گیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کی ہی بات ہے۔ کہ

اُحد کی جنگ کے موقعہ پر

آپ نے ایک درہ پر دس سپاہی مقرر کئے۔ جو اسلامی فوج کی پشت کی جانب تھا۔ اور آپ نے ان سے فرمایا۔ کہ تم نے یہاں سے نہیں ہلنا۔ باقی فوج خواہ ماری جائے۔ یا جیت جائے۔ حتیٰ کہ دشمن بھاگ بھی جائے۔ تو بھی تم یہیں کھڑے رہو۔ گویا یہ کام اس کڑی کے سپرد تھا۔ اور بظاہر یہ کوئی کام نہیں۔ کہ ایک درہ پر کھڑے رہو۔ خواہ فوج جیت جائے یا ہار جائے۔ بظاہر اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن بعد کے واقعات سے اسکی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی۔ اور وہ بھاگے۔ تو ان دس سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا۔ کہ اب تو دشمن کو شکست ہو گئی ہے۔ ہمیں بھی اجازت دیں۔ کہ جہاد کے ثواب میں شریک ہوں۔ لیکن افسر نے کہا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہیں کھڑے رہنے کا ہے۔ مگر انہوں نے کہا۔ کہ اتنا غلو نہیں کرنا چاہیئے۔ کچھ تو اجتہاد سے بھی کام لینا چاہیئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منشاء تو اس قدر تاکید سے یہ تھا۔ کہ بے احتیاطی نہ کرنا۔ یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ کہ واقعی اگر فتح حاصل ہو جائے تو بھی یہاں سے حرکت نہ کرنا۔ افسر نے جواب دیا۔ کہ مجھے تو اجتہاد کا حق نہیں۔ مگر انہوں نے اس کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔ اور کہا۔ کہ یہ بالکل جاہلانہ مشورہ ہے۔ اور اس میں اطاعت کے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ اور ہم جہاد کے ثواب سے محروم نہیں رہنا چاہتے۔ چنانچہ تین آدمی وہاں رہے۔ اور باقی وہاں سے ہٹ آئے۔ اسی وقت تک حضرت خالد بن ولید

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسلمان نہ ہوئے تھے۔ خالد بہت زیرک نوجوان تھے۔ دشمن بھاگ رہا تھا۔ کہ ان کی نظر درہ پر پڑی اور دیکھا۔ کہ وہ خالی ہے۔ انہوں نے جھٹ عکرمہ کو اشارہ کیا۔ کہ ابھی شکست کو فتح میں بدلا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چند سو سپاہی ساتھ لئے۔ اور پیچھے سے آکر اس درہ پر حملہ کر دیا۔ وہاں صرف تین مسلمان تھے۔ باقی جا چکے تھے۔ وہ تینوں شہید ہو گئے۔ اور عین اس وقت جب مسلمان دشمن کو بھگاتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ پیچھے سے حملہ ہوا۔ اور اچانک حملہ کی وجہ سے صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم صرف بارہ صحابہ کے ساتھ میدان میں رہ گئے۔ اور جب دشمن نے آپ پر پورے زور کے ساتھ حملہ کیا۔ تو ان بارہ میں سے بھی بعض مارے گئے۔ اور بعض دھکیلے جا کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی اسی ریلے میں پیچھے دھکیلے گئے۔ اور آخر صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ اور چاروں طرف سے آپ پر پتھر برسائے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ خود کی کیلیں سر میں دھنس گئیں۔ اور آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اور دشمن نے خیال کر لیا۔ کہ شاید آپ وفات پا گئے ہیں۔ اور اس ہنگامہ میں جو صحابہ شہید ہوئے۔ ان کی لاشیں بھی آپؐ کے اوپر گر گئیں۔ اور دشمن مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ کہ آپؐ شہید ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جب صحابہ جمع ہو گئے۔ تو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو لاشوں کے ڈھیر میں سے نکالا۔ اور دیکھا۔ کہ آپؐ ابھی زندہ ہیں۔ ایک صحابی نے پورے زور کے ساتھ خود کو کھینچ کر نکالا۔ اور اس قدر زور لگانا پڑا۔ کہ آپ کے دانت ٹوٹ گئے۔ دیکھو کتنی چھوٹی سی ہدایت تھی۔ کہ وہ دس آدمی اس درہ پر بہر حال کھڑے رہیں۔ لیکن اسکو نظر انداز کر دینے سے کتنا خوفناک نتیجہ نکلا۔ اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپؐ کی خاص حفاظت کا وعدہ نہ ہوتا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسدن شہید ہو جاتے۔ اس وقت سوائے ملائکہ کے کس نے آپؐ کی حفاظت کی۔ جس طرح غار ثور کے منہ پر پہنچ جانے کے باوجود اللہ تعالےٰ نے کفار کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ کہ زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اُحد کے موقعہ پر بھی ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ بس آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اب دیکھ بھال کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کفار اس وقت جھکتے۔ اور غور سے دیکھتے۔ تو کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ کمی کرتے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دیا۔ کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ یہ انسان کا کام نہیں۔ انسانوں نے تو آپؐ کو مروا ہی دیا تھا۔ مگر خدا تعالےٰ نے زندہ رکھا۔ اور یہ سب خطرہ اس وجہ سے پیدا ہوا۔ کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا۔ کہ ہم اجتہادی طور پر اطاعت کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ بالکل خلاف عقل بات ہے۔ یہ لوگ منافق نہیں تھے۔ مگر ان کی ذرا سی غفلت سے رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی ذات ایسے خطرہ میں پڑ گئی۔ کہ آج اس کے حالات پڑھ کر بھی ایک مومن کا دل کانپ اٹھتا ہے۔

پس مومن ایک زنجیر کی کڑی ہوتا ہے۔ اس کا اپنی ذات کا خیال رکھنا اور اسکو بھول جانا کہ وہ ایک زنجیر کی کڑی ہے۔ درست نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا ہے۔ تو وہ مومن نہیں۔

مومن اکیلا نہیں ہوتا

اس کے صرف یہ معنے نہیں۔ کہ ظاہری طور پر بھی جماعت ضرور اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ وہ جہاں بھی ہو۔ اپنے آپ کو جماعت کے سلسلہ کی ایک کڑی سمجھتا ہے۔ وہ اگر اکیلا بھی ہو۔ تو ایسے کام کرتا رہتا ہے۔ جو جماعت کی تقویت کا موجب ہوتے ہیں۔ پس عام انسان کی ذمہ واری اور مومن کی ذمہ واری میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر بعض ایسی ذمہ واریاں عاید کی ہیں۔ کہ اگر نقصان کا یقین ہو۔ تو بھی ان سے کوتاہی جائز نہیں۔ کیا جو سپاہی لڑائی میں جاتے ہیں۔ ان کے نقصان کا احتمال نہیں ہوتا۔ مگر کیا وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ

بادشاہ اور وزراء

وامراء تو گھروں میں بیٹھے ہیں۔ اور ہم مارے جا رہے ہیں۔ تین چار دن ہوئے۔ مجھے ایک ایسا شخص ملنے کے لئے آیا۔ جو جماعت سے خارج تھا۔ اس نے سوال کیا۔ کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ

مجھے جماعت سے کیوں نکالا گیا

میں نے اس سے پوچھا۔ کہ کیا اسکی کوئی وجہ بیان ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ میں نے کہا۔ کہ بس سمجھ لو۔ کوئی ایسی ہی وجہ تھی۔ جس کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ کیا مجھے ان مقدمات کے سلسلہ میں نکالا گیا تھا۔ جو بعض لوگوں سے میرے چل رہے ہیں۔ میں نے اسے بتایا۔ کہ نہیں ان مقدمات کے متعلق تو میں سمجھتا ہوں۔ تمہارا حق مارا گیا ہے۔

اصل بات یہ تھی

کہ تمہارے متعلق رپورٹ آئی تھی۔ کہ چونکہ تم حاجتمند ہو۔ پولیس کے بعض افسر یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ تمہیں خرید لیں۔ اور قبرستان کے مقدمہ میں تم سے شہادت دلوائیں۔ کہ مجھے جماعت نے بھیجا تھا۔ کہ جا کر احراریوں کو مارو۔ اس نے کہا۔ کہ بے شک مجھے بعض پولیس افسروں نے ایسا کہا تھا۔ کہ پانسو روپے لے لو۔ اور یہ شہادت دے دو۔ مگر میں نے تو اسے منظور نہیں کیا تھا۔ آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے تھا۔ میں نے اسے کہا۔ کہ ایک طرف تو تم پر

اعتماد کا سوال

تھا۔ اور دوسری طرف جماعت کے اعتماد کا سوال تھا۔ اب بتاؤ۔ میں کسے قربان کرتا۔ میں اس خبر کو ۹۹ فی صدی جھوٹ سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ تم ان دنوں ابتلاء میں تھے۔ تم کو جماعت کے افراد سے بھی شکایت تھی۔ اور محکموں سے بھی تم اس وقت سخت مالی مشکلات میں تھے۔ اور روپیہ کے محتاج تھے۔ پس ان حالات میں ڈر تھا۔ کہ تم اس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لالچ کی برداشت نہ کرسکو۔ یا غصہ تمہارے دل پر قابو پالے۔ پس ان حالات میں جبکہ میں تم کو کوئی مالی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا۔ کیونکہ تم ملازم نہیں تھے۔ نہ کوئی تمہارا تجارتی کام تھا۔ پس ان حالات میں **جماعت کے وقار کو** میں خطرہ میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا۔ کہ جنگ عظیم میں جرمن یا دوسرے ممالک کے لئے لوگ کس طرح اپنے ملک اور قوم کے لئے اپنی جانیں قربان کرتے تھے۔ اگر تمہیں قربانی کرنی پڑی۔ تو کیا حرج ہے۔ تم لوگ تو کہتے ہو۔ کہ تمہاری جانیں سلسلہ کے لئے ہیں۔ پس اگر جماعت کی خاطر تمہیں سزا دی گئی۔ تو کیا ہوا۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ پھر کیوں مجھے یہ نہ بتا دیا گیا۔ میں نے کہا۔ اگر میں ایسا کرتا۔ تو بے وقوفی کرتا۔ کیونکہ اس صورت میں اصل غرض پوری نہ ہوتی۔ اول تو خود تم کو پولیس ناجائز طور پر استعمال کر سکتی تھی۔ دوسرے اس بات کے علم پر وہ کسی اور کو استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ اب میرا دل خوش ہو گیا ہے۔ اب دیکھو اسے ایسی صورت میں سزا دی گئی تھی۔ کہ کلی طور پر اس کا یہ جرم ثابت نہ تھا۔ مگر چونکہ اس کے خلاف بعض اور باتیں ثابت تھیں۔ جو اسے سزا کا مستحق بنا دیتی تھیں۔ جن کی سزائیں دوسرے اوقات میں یقیناً اس سے کم دیتا۔ لیکن اس صورت حالات میں میں نے مناسب سمجھا۔ کہ اس سزا کو جماعت سے اخراج کی سزا میں بدل دوں۔ وہ خود تسلیم کرتا ہے۔ کہ پولیس کے بعض افسروں نے اسے لالچ دی۔ اور یہ ثابت ہے۔ کہ وہ اس وقت جماعت کے بعض محکموں سے شاکی تھا۔ اور معمولی شاکی نہیں۔ بلکہ سرکاری عدالتوں میں جانے کے لئے تیار تھا۔ اور اسکی کوشش کر رہا تھا۔ چنانچہ ان پولیس افسروں نے یہ بھی کہا۔ کہ اس مقدمہ میں بھی ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس باوجود یہ جاننے کے کہ اس کا جرم اس حد کا نہیں۔ ایک اور خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اسے اخراج از جماعت کی سزا دے دی۔ مگر ساتھ ہی تمام متعلقہ افسروں کو بتا دیا۔ کہ اگر کوئی اور جرم اس کا ثابت نہ ہوا۔ تو اس مقدمہ کے بعد اسے معاف کر دیا جائیگا۔ اور یہ **میری عمر میں پہلا ہی واقعہ** ہے۔ مگر میں مجبور تھا۔ ذرا غور تو کرو۔ اگر ایک احمدی جا کر عدالت میں یہ جھوٹا بیان دے دیتا۔ کہ مجھے جماعت نے بھیجا تھا۔ تو جماعت کے وقار کو کس قدر صدمہ پہنچتا۔ اور دشمن کو ایک آلہ مل جاتا۔ کہ سلسلہ کو بدنام کرے۔ اور اس الزام سے بریت کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کوئی ایسی صورت پیدا کر دیتا۔ جیسی مارٹن کلارک کے مقدمہ میں ہوئی تھی۔ مگر اس وقت کے حالات اور تھے۔ اور آج کے اور ہیں۔ اس وقت کے مجسٹریٹ نے گواہ کے دوسرے بیان کو صحیح سمجھا تھا۔ مگر اب یہ سمجھا جاتا۔ کہ ملزم کو خرید لیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقدمہ میں ہوا۔ کہ گواہوں نے سچی گواہی دی۔ تو بعض اعلیٰ سرکاری حکام نے انہیں بلا کر اس قسم کے بیان دلانے چاہے۔ کہ گویا خود خلیفہ نے بلا کر ان کو رشوت دی۔ اور ان کو خرید لیا۔

غرض میں نے اسے کہا۔ کہ تمہیں بے شک قربانی کرنی پڑی۔ مگر کیا تم یہ اقرار کر کے احمدی نہیں ہوئے تھے۔ کہ تم احمدیت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرو گے۔ مگر یہ میری زندگی میں پہلا واقعہ ہے۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ وہ کوئی درخواست پیش کرتا۔ میں نے میاں بشیر احمد صاحب۔ مولوی عبد المغنی صاحب اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو اسے بلانے سے بھی قبل کہا تھا۔ کہ گو وہ ملازمت سے ڈسچارج ہو چکا تھا۔ مگر اس تکلیف کی وجہ سے جو اسے پہنچی۔ میں چاہتا ہوں۔ اس کے لئے کسی ملازمت کا بندوبست کر کے اسکی تکلیف کا کفارہ کر دیا جائے۔

ایسے واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے متعلق یہ اطلاع آنے پر۔ کہ وہ یہاں رپورٹیں کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے ان کو نکال دیا۔ پس جس وقت **جماعت کی نیک نامی اور عزت کا سوال** ہو۔ افراد کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس وقت کوئی شخص چاہے جماعت میں رہے یا نہ رہے۔ جماعت کی عزت کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ اور میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ اگر پھر کبھی موقعہ آیا۔ تو میں پھر بھی ایسا کروں گا۔

جب قبرستان کا واقعہ ہوا۔ میں تو قادیان میں موجود ہی نہ تھا۔ پھر اگر وہ شخص کوئی ایسا بیان دے دیتا۔ تو اسکی بدنامی میرے نام تو لگ ہی نہیں سکتی تھی۔ میرے ساتھ اس واقعہ کا تعلق بھی نہ تھا۔ میں اس وقت ڈلہوزی یا مسالہ میں تھا۔ اس لئے میری عزت یا بدنامی کا تو سوال ہی نہ تھا۔ میرے سامنے تم سب کی مجموعی عزت کا سوال تھا۔ وہ جماعت کا ہی نام لے سکتا تھا۔ میرا نہیں۔ کیونکہ میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔ پولیس یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ کہ میں سازش کر کے باہر بھاگ گیا۔ کیونکہ سازش وہ ہوتی ہے۔ جس کے لئے پہلے سے تیاری کی جائے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ منگو کی لڑکی کے مرنے کا پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا۔ اور میں کہہ گیا تھا۔ کہ میں جاؤں۔ تو اسے مار دینا۔ اور پھر قبرستان پر جھگڑا کرنا۔ اور احرار کو بھی وہاں لے جانا۔ اور وہاں سے جا کر انہیں مارنا اس لئے واقعات کی بناء پر کوئی مجھ پر تو الزام لگا ہی نہیں سکتا تھا۔ کہ میرا بھی ان میں حصہ ہے۔ میرے سامنے اس وقت صرف سلسلہ کی عزت کا سوال تھا۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ پولیس اس کوشش میں ہے۔ کہ اسے خرید لے۔ تو میں نے سمجھا۔ چاہے یہ خبر غلط ہی ہو۔ اور چاہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ لیکن چونکہ اس سے بعض اور غلطیاں ہو چکی ہیں۔ اور میں اسے سزا دینے میں خدا کا مجرم نہیں۔ آؤ میں اس خطرہ سے جماعت کو بچانے کے لئے اسے جماعت سے خارج کر دوں۔ علاوہ ازیں جماعت کے افراد کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے۔ کہ جسے سلسلہ کی طرف سے کوئی سزا دی جاتی ہے۔ اگر وہ قصور وار ہے۔ تو اسے قصور تسلیم کر کے دلیری سے سزا برداشت کرنی چاہیئے۔ اور ساتھ توبہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ دل پر زنگ نہ لگ جائے۔ اور اگر وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو بے قصور سمجھتا ہے۔ تو ادنیٰ دیانتداری جو ایک مومن میں ہونی چاہیئے کم سے کم وہ اتنی تو خلیفہ میں تسلیم کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ظن المؤمنین بانفسھم خیرا۔ جب کوئی بُری بات مومنوں کو کسی مومن کے بارہ میں معلوم ہو۔ تو کیوں وہ اس کا نیک پہلو اپنے بھائی کے متعلق تجویز نہیں کرتے۔ تو کیا خلیفہ کا مقام ایک عام مومن کے برابر بھی نہیں۔ کہ اس کے متعلق کم سے کم ادنیٰ سے ادنیٰ حسن ظنی سے کام لیا جائے۔ اور سمجھا جائے۔ کہ اس نے کم سے کم دیانتداری سے فیصلہ کیا ہے۔ اور ذاتی بغض نہیں نکالا۔

یہ آیات جو میں نے ابھی پڑھی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔ یوں تو سارا قرآن کریم ہی حکم ہے۔ مگر جب زیادہ زور دینا ہو۔ تو دوبارہ حکم کا لفظ آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ

بڑا ضروری حکم

ہے۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جب موقعہ آئے کہ تم اپنا لیڈر چنو۔ تو خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ تم اسے چنو۔ جسے اس کا اہل سمجھو۔ اور جس کے متعلق یقین ہو۔ کہ وہ جماعت کو ٹھیک راستہ پر چلائے گا۔ آگے فرمایا۔ واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل یعنی جب خدا تعالیٰ نے تمہیں اس مقام پر پہنچائے۔ تو عدل کرو۔ اس جملہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ اس جگہ امانت سے مراد امانتِ حکومت ہے۔ ورنہ دوسری امانت کا تعلق فیصلہ کرنے اور عدل کرنے سے نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا۔ ان اللہ نعما یعظکم بہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بابرکت حکم ہے۔ پھر فرمایا۔ ان اللہ کان سمیعا بصیرًا۔ اللہ تعالیٰ بہت سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی ان دونوں باتوں میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ تم بدنیتی سے رائے دو۔ اور امیر کے متعلق رائے دیتے ہوئے تمہارے نفوس کسی ذاتی غرض کو پوشیدہ رکھ رہے ہوں۔ پس اگر ایسا کرو گے۔ تو یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے اور سننے والا ہے۔ وہ ضرور اس کی سزا تمہیں دیگا۔ اور اگر وہ شخص جسے تم نے امیر یا افسر چنا ہے۔ کوئی بددیانتی کرتا ہے۔ تو بھی یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ وہ اسے خود سزا دے گا۔

پھر فرمایا۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ یہاں امانت سے مراد امانت حکومت ہی تھی۔ وگرنہ اگر روپیہ یا مال رکھنے کے متعلق یہ ہدایت ہوتی۔ تو اس جگہ اولی الامر منکم کی اطاعت کا ذکر کیوں آتا۔ پس یہاں امانت حکومت ہی مراد ہے۔ پھر فرمایا۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذالک خیرا واحسن تاویلا۔ اگر تمہیں کسی ایسے حاکم سے شکوہ پیدا ہو۔ تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سپرد کر دو۔ جنہوں نے اسکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ تمہارا یہ کام نہیں کہ جھگڑے کا تصفیہ کرو۔ کیونکہ اس صورت میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ تمہارا فرض یہ ہے۔ کہ امیر کی مخالفت یا اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی بجائے معاملہ کو خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو۔ اگر تمہارا خدا اور آخرت پر ایمان ہے۔ اگر تمہارا خدا زندہ ہے۔ تو کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ کسی بد باطن اور شریر کو تم پر ظلم کرنے دیگا۔ اگر تم نظام کے لئے قربانی کرتے ہو۔ تو کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اس کا اجر نہ مل سکے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ کہ اگر اس دنیا میں ایک بکری نے دوسری کو سینگ مارا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس بکری کے سینگ کا بھی بدلہ لے گا۔ پھر تم کس طرح خیال کرتے ہو۔ کہ تمہارے ساتھ اگر ظلم ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ نہ دے گا۔ پھر تم گھبراتے کیوں ہو۔ ذالک خیر واحسن تاویلا یہ سب سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اعلیٰ بات ہے۔ پس

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون

یہی ہے۔ کہ جو امیر ہو۔ خواہ چھوٹا ہو۔ خواہ بڑا۔ یا خلیفہ ہو۔ تمہیں ان کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اگر اس کے فیصلہ پر تمہیں اعتراض ہو۔ اور تم سمجھتے ہو۔ کہ تم مظلوم ہو۔ اور بددیانتی سے تمہارے امیر نے ظلم نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اور وہ بھی معذور سمجھا جائے گا۔ اور اگر امیر نے ظلم کیا ہے۔ تو بھی معاملہ کو خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو۔ اور اطمینان رکھو۔ کہ اگر قیامت کا کوئی دن ہے۔ تو اس ظلم کا خود خدا تعالیٰ بدلہ لے گا۔ اس قانون کو بدل دو۔ تو نہ کوئی حکومت باقی رہتی ہے۔ اور نہ کوئی نظام۔ اور باتوں کو تو جانے دو۔ صرف یہی لے لو۔ جو کہتے ہیں۔ کہ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ہیڈ ماسٹر بھی غلطی کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ پھر اگر یہ ہو۔ کہ ہر لڑکا کھڑا ہو۔ اور ہیڈ ماسٹر سے کہے۔ کہ آپ نے فلاں ظلم مجھ پر کیا ہے۔ تو کوئی انتظام رہ سکتا ہے۔ پھر اگر کہتے ہیں۔ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے۔ تو کیا کوئی تاجر کتب غلطی نہیں کر سکتا۔ پھر کیا دنیا میں یہی طریق ہے۔ کہ ہر کتاب کی قیمت پر مباحثے اور چیلنج ہوتے ہیں۔ ابھی ایک جھگڑا میرے نوٹس میں لایا گیا ہے۔ کہ کئی سال ہوئے۔ ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی کے لڑکے نے کچھ کتب میاں فخر الدین صاحب کو برائے فروخت دی تھیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کئی سال کے بعد جب قیمت کا مطالبہ کیا۔ تو میاں فخر الدین صاحب نے کہا۔ کہ میں نے وہ کتابیں نصف قیمت پر فروخت کی ہیں۔ اس لئے نصف قیمت کمیشن کاٹنے کے بعد دوں گا۔ اب اس سے یہ کیوں نہ سمجھ لیا جاتا۔ کہ ان کا یہ قول بد دیانتی پر مبنی ہے۔ اور کہ وہ یتیم کا مال کھانا چاہتے ہیں۔ گو اس بچہ نے ان کی بات کو مان لیا۔ اور میاں فخر الدین صاحب نے اس رقم کے ادا کرنے کا اقرار کر لیا۔ مگر وہ بچہ سال بھر ان کے پاس مطالبہ کے لئے جاتا رہا۔ لیکن وہ شکایت کرتا ہے۔ کہ آخر ایک دن انہوں نے مجھے یہ جواب دے دیا۔ کہ جا جو کرنا ہے کر لے۔ حالانکہ فیصلہ ان کا مسلمہ تھا۔ اور روپیہ وہ خریداروں سے مہینوں اور سالوں پہلے وصول کر چکے تھے۔ اب اگر یہ شکایت اس یتیم کی درست ہے۔ تو کیا سلسلہ یا حکومت اس پر قسمیں دلانے بیٹھے گی۔ کہ میاں فخر الدین صاحب نے ایسا کیا ہے۔ یا نہیں۔ وہ تو اصل مقدمہ کی طرف توجہ کرے گی۔ ایسے امور کو اگر درمیان میں لایا جائے۔ تو سوائے بدظنیوں کے ایک غیر متناہی سلسلہ کے اور کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر ان لوگوں کا حق ہے۔ کہ وہ اپنے متعلق نیک ظنی کا مطالبہ کریں۔ تو کیا خلیفہ ہی کا ایک وجود ہے۔ جس کے متعلق نیک ظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور ہر ہیڈ ماسٹر اور کتب فروش کے متعلق دوسرے شخص کا حق ہے۔ کہ اس کے بارہ میں نیک ظنی سے کام لیا جائے۔ کیا کوئی شریف انسان ایسی بات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ اور کیا کوئی شریف انسان اس قسم کے خیالات رکھنے والی لعنتی قوم کا خلیفہ بننا پسند کر سکتا ہے۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص پر بھی الزام لگا کر دیکھو۔ وہ جوتا لے کر مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یا نہیں۔ مگر خلفاء پر نہایت بیحیائی سے الزام لگا دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر کہا یہ جاتا ہے کہ اسلام آزادی سکھاتا ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں سے پوچھو۔ کہ اے کم بختو کیا اسلام تمہارے متعلق آزادی نہیں سکھاتا۔ کیا صرف خلفاء کے متعلق ہی آزادی سکھاتا ہے۔ اس وقت میں صرف

میاں فخر الدین صاحب کے اخراج کے متعلق

بیان کروں گا۔ دوسرے امور میں اس وقت جانے کو تیار نہیں ہوں۔ وہ اگر موقعہ ہؤا۔ تو پھر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ مگر یہ اس وقت بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ وہ خطبہ والا مضمون نہیں۔ جس کے متعلق میں نے کہا تھا۔ کہ مجھے خدا تعالےٰ نے سمجھایا ہے۔ اس کے لئے ابھی انتظار کریں۔ اور دشمن کی طرف سے جب حملہ ہوگا۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ اس کا اپنا ہتھیار ہی اسے کاٹنے کو کافی ہوگا۔ یہ جھگڑا جو شروع ہؤا ہے۔ اسکی ابتدار یوں ہوئی۔ کہ میں سندھ میں تھا۔ کہ مجھے مولوی تاج الدین صاحب لائل پوری مولوی فاضل کا مندرجہ ذیل خط پہنچا:۔

مولوی تاج الدین صاحب کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مشاورت سے قبل کا واقعہ ہے۔ کہ خاکسار میاں فخر الدین ملتانی کی دوکان پر گیا۔ ان کے ہاتھ میں اخبار الفضل کا پرچہ تھا۔ کہنے لگے۔ آپ کا مضمون ابھی پڑھ کر ختم کیا ہے۔ (جس میں پیغامیوں کے اعتراض متعلقہ پہرہ بوقت نماز کا جواب تھا) میں نے کہا۔ بتائیے۔ جواب بنا ہے یا نہیں۔ کہنے لگے۔ ہاں گزارہ ہو گیا ہے۔ اس مضمون میں چونکہ حضرت امیر معاویہؓ ہی کی مثال تھی۔ اس لئے میں نے حضرت امیر معاویہ کے متعلق کہا۔ کہ وہ بڑے سیاستدان اور دور اندیش تھے۔ اسی ذکر میں میں نے یہ بھی ذکر کیا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف بھی انہوں نے بڑا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ مثلاً وہ حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ کرتے تھے۔ کہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ اور کم از کم یہ کہ ان لوگوں کو حضرت علیؓ اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ اپنی فوج سے الگ کر دیں۔ ورنہ سمجھا جائیگا۔ کہ حضرت علیؓ ان کی حمایت پر ہیں۔

حضرت علیؓ بہت کہتے۔ کہ فتنہ سخت ہے۔ آپ ساتھ ہو جائیں۔ استحکام امر پر اس معاملہ میں دخل دیا جا سکے گا۔ مگر حضرت امیر معاویہؓ اپنی ہی بات پر اڑے رہے۔ کہ ان سرکشوں کو الگ کریں۔ اور ان سے قصاص لیں۔ اس پر بابو فخر الدین کہنے لگے۔ کہ ہاں حضرت معاویہؓ کی بات مؤثر تو تھی۔ اور یہی تو ہم کہتے ہیں۔ میں ان کی اس بات کا مطلب بالکل نہ سمجھا۔ آخر کہنے لگے۔ کہ شیخ احسان علی اور اس کا بھائی عبد الرحمٰن صریح طور پر مجرم ہیں۔ عبد الرحمٰن نے جھوٹی گواہی عدالت میں دی۔ ہم پر افتراء اور بہتان باندھے۔ شریف آدمیوں کی عزت پر حملے کئے۔ پاکدامن عورتوں کی عزت پر حملے کئے۔ مگر ان کو پوچھا تک نہیں۔ بلکہ پٹرول کا ٹھیکہ ان کو دے دیا ہے۔ اور فلاں سے ہٹا کر (غالباً سیالکوٹ ہاؤس کا نام لیا تھا اچھی طرح یاد نہیں رہا) دیا ہے۔ اور ان سے مہنگا دیا ہے۔ پھر عبد الرحمٰن کو جو نالائق اور نکما آدمی ہے۔ دفتر تحریک جدید میں رکھ لیا ہے۔ دوسروں کی عورتوں اور لڑکیوں کی کوئی عزت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ یہ بڑے جوش اور زور زور سے کہنے لگے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ کو اگر کوئی شکایت ہے۔ تو ان پر دعویٰ دائر کریں۔ پوچھا۔ کہاں؟ میں نے کہا۔ امور عامہ میں یا قضاء میں یا حضرت صاحب کی خدمت میں۔ کہنے لگے۔ کہ میں تو اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ کیا ہم اور بے عزت ہوں۔ غالباً یہ بھی کہا۔ کہ ہمیں انصاف کی توقع نہیں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ میں ایسے دعووں پر یا کہا کہ ایسی درخواستوں پر جوتے مارتا ہوں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ کئی سالوں تک مارے مارے پھرو۔ کبھی فلاں جگہ پھر فلاں جگہ۔ میں نے کہا۔ کہ سرکاری عدالتوں میں بھی تو آخر مختلف جگہوں پر اپیلیں کرنی ہی پڑتی ہیں۔ یہ بھی کہا۔ کہ ہمیں دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کو پتہ نہیں؟ بلکہ وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ مقدمہ کا فیصلہ ہونے پر پھر ان سے پوچھا جائیگا۔ میں نے کہا۔ کہ کس نے وعدہ کیا تھا۔ کہا یہی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جو ذمہ وار ہیں۔ امور عامہ حضرت صاحب۔

پھر کہا۔ کہ ڈاکٹر فضل دین افریقہ سے لکھ رہے ہیں۔ کہ مجھے لکھا گیا تھا۔ کہ بعد فیصلہ مقدمہ کارروائی کی جائے گی۔ کیا کوئی کارروائی کی گئی۔ ہم لکھ دیتے ہیں۔ کوئی نہیں۔ آخر میرے بار بار کہنے سے کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ ان لوگوں پر مقدمہ چلائیں۔ اور ان کے خلاف ثبوت مہیا کریں۔ یہ جواب دیا۔ کہ ہاں وقت آنے پر کریں گے۔ ایک موقع پر یہ بھی کہا۔ کہ اسے تو چپکے سے قادیان سے نکال دیا۔ کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی۔ میں نے کہا۔ کہ کسے؟ تھوڑی دیر خاموش ہو کر کہا۔ کہ مقبول کو۔ میں نے کہا مقبول کون تھا۔ کہا وہ ایک لڑکی تھی۔ جو مولوی قطب الدین کے گھر رہتی تھی۔ اس کے متعلق نہ میں نے پوچھا۔ کہ کیا واقعہ تھا۔ اور نہ اس نے بتایا۔ جوش میں بلند آواز سے جب باتیں کر رہے تھے۔ تو میرے کہنے پر کہ آہستہ بات کریں۔ اسی زور اور جوش میں کہا۔ کہ دل میں جلن ہے دکھ ہے۔ اور یہ باتیں کھلے طور پر کہتا ہوں۔ تاکہ سی۔ آئی۔ ڈی سن لیں۔ (یہ کیا کہ فلاں کو فلاں ملا تھا۔ اور فلاں فلاں اکٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بس یہی رپورٹیں ہوتی رہتی ہیں) ہمیں دکھ ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ (یہ باتیں مشاورت سے قبل ہی مکرمی مولوی اللہ دتا صاحب سے ذکر کر دی تھیں۔

(۲) اسی وقت یا کسی اور وقت مکرمی مولوی ظفر محمد صاحب کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔ کہ اسے مبلغ بنا دیا گیا ہے۔ ہمارا تو خیال تھا۔ کہ جو وہ مخفی کام کر رہے تھے۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی کے محکمہ میں خوب کام کیا تھا۔ اس پر انہیں کوئی ناظر بنا دیا جائے گا۔ یہ کیا؟ کہ ان کو اس عہدہ سے ہٹا کر تنزل میں کر دیا۔

(۳) پرسوں میں شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری کے لڑکوں کا حال پوچھنے گیا۔ (ان کے دو بچے بیمار ہیں) واپسی پر تھوڑی دور تک میرے ساتھ آئے۔ اور از خود ہی اپنی پرانی گفتگو متعلقہ خلافت وغیرہ چھیڑ دی۔ خلاصہ یہ تھا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ میں اس پر مطمئن ہوں۔ کہ نبی کی جانشین اور خلیفہ دراصل جماعت ہوتی ہے۔ جو نظام وہ چاہے۔ قائم کرے مثلاً اگر پیغامیوں والے خیال پر جماعت کی اکثریت ہو جاتی۔ تو پھر وہی صحیح اسلامی مسلک ہوتا۔ (۲) خلیفہ اللہ تعالےٰ سے فیض لینے کا واسطہ نہیں ہوتا۔ (۳) خلیفہ کا تعلق محض نظام جماعت سے ہوتا ہے۔ (۴) حدیث شریف میں صاف ہے۔ کہ کفر بواح کی صورت میں خلیفہ معزول کیا جا سکتا ہے پس جماعت کی اکثریت ایسی صورت میں معزول کر سکتی ہے۔ بلکہ روحانی خلیفہ تو ایسی حالت میں بدرجہ اولیٰ معزول ہونا چاہیئے۔ حضرت امام حسین رضؓ نے خلافت چھوڑ دی۔ اور یہ مقام مدح میں ان کا فعل شمار ہوتا ہے۔ باغیوں کے مطالبہ پر کہ حضرت عثمان خلافت سے الگ ہو جائیں۔ کسی صحابی نے یہ نہیں کہا۔ کہ تمہارا یہ مطالبہ اس لئے ناجائز ہے۔ کہ شرعاً خلیفہ معزول ہو ہی نہیں سکتا۔

(۵) یہ بات اسی طرح غلط مشہور ہو گئی ہے۔ جس طرح یہ کہ خلیفہ کا جنازہ خلیفہ ہی پڑھ سکتا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا جنازہ حضرت عثمانؓ نے نہ پڑھا تھا۔

آخر پر یہ اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری کو میں اپنے زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں۔ شروع شروع میں سالہا سال تک ان کے میرے ساتھ گہرے تعلقات رہے ہیں۔ ان کے بعض مجھ پر احسان ہیں۔ حسن سلوک سے پیش آتے رہے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ وہ بات کرنے میں بڑے ہی محتاط اور ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔ مگر اب اس حد تک بڑھ گئے ہیں۔ کہ ایک معمولی احمدی بھی ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ ان کے اس انقلاب کا اصلی باعث کیا ہے۔

پچھلے دنوں میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ کہ وہ احمدیہ بازار میں کھڑے ہیں۔ منہ فق اور خشک ہو رہا ہے۔ ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرتے ہیں۔ گھبرائے ہوئے ہیں۔ بار بار تھوکتے ہیں۔ پگڑی بھی گلے کی طرف ڈھلکی ہوئی ہے۔ خواب میں میں نے تعجب کیا۔ کہ ان کو کیا ہو گیا ہے۔ پاس ان کا ایک چھوٹا لڑکا بھی کھڑا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والسلام

خاکسار حضور کا ادنیٰ ترین خادم تاج الدین لائلپوری ۲۴/۴/۳۷

جب یہ خط مجھے ملا۔ تو میں نے فوراً لکھا۔ کہ اس کی تحقیقات کی جائے۔ اور فخر الدین صاحب ملتانی کا بیان لیا جائے۔ چنانچہ ان کا بیان لیا گیا۔ جس کے ضروری حصے یہ ہیں:-

میاں فخر الدین صاحب کا بیان

میں آپ کے سوالات کا جواب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر جو مجھے صحیح صحیح یاد ہے۔ دیتا ہوں:-

(۱) احسان علی وغیرہ کے الزامات کے متعلق جن ذمہ وار لوگوں کو باز پرس کرنی چاہیئے تھی۔ انہوں نے نہیں کی۔

(۲) ذمہ وار سے مراد نظارت امور عامہ حضرت صاحب کی طرف سے ہیں۔

(۳) ہم نے باز پرس کرانے کے لئے اس لئے ضرورت نہیں سمجھی۔ کہ ہم سے متعدد مرتبہ وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ کیس ختم ہونے پر ان تمام امور کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ علاوہ ازیں پہلے بھی نظارت کا یہی رویہ ہے۔ کہ ایسے امور کے متعلق خود ہی بغیر کسی درخواست کے نوٹس لیتی ہے۔ چنانچہ علی گوہر صاحب کی لڑکی پر قتل کے الزام والے مقدمہ میں جب وہ بری ہو گئی تھی۔ تو نظارت امور عامہ نے ان سے باز پرس کی تھی۔ کہ تم نے جھوٹی گواہیاں کیوں دیں۔ وعدہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ نظارت امور عامہ نے بھی اور غالباً خود حضرت صاحب نے بھی مصری صاحب سے فرمایا تھا۔ اس وقت کے ناظر خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب تھے۔ (۴) مجھے الیکشن کے بعد یہ علم ہوا۔ کہ پٹرول لینے والوں نے احسان علی سے کئی ایک خاص الخاص مراعات رکھ کر پٹرول گراں خریدا ہے۔ حالانکہ اس سے ارزاں بھی مل سکتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھا۔ بٹالہ میں میں نے کسی سے سنا تھا۔ کہ وہاں ۵۰ روپے پیشگی دے کر چھ آنے فی گیلن کے حساب سے لیا گیا تھا۔ مگر بعد میں وہاں سے سودا منسوخ کرا کے سارا ٹھیکہ احسان علی کو دیا گیا۔ اور اس طرح جسقدر پٹرول بھی الیکشن کے لئے خرچ ہؤا۔ گراں قیمت پر لیا گیا۔ حالانکہ اگر کمپنی سے براہ راست سودا کیا جاتا۔ تو وہ کمیشن بھی انجمن کو بچ سکتا تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ کہ پٹرول کے سودا کرنے کے ذمہ وار نظارت کی طرف سے بظاہر حالات نیر صاحب تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس کے ساتھ رعایت کیوں کی۔ البتہ چند سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ کہ سیالکوٹ ہاؤس کے مالک محمد اسحاق کو سکول والوں نے کچھ سپرٹ بٹالہ سے لانے کے لئے کہا۔ چونکہ قواعد کی رو سے خاص مقدار سے زائد سپرٹ وہ بذریعہ ریل لانے کا مجاز نہ تھا۔ تو اس وقت احسان علی نے خفیہ طور پر اکسائز انسپکٹر کو جا کر رپورٹ کر کے بٹالہ کے اسٹیشن پر پکڑوا دیا۔ اسحٰق رات بھر حوالات میں رہا۔ پھر اس پر پانچ روپے جرمانہ ہؤا۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز حضرت صاحب کی خدمت میں غالباً کسی دعوت کے موقعہ پر یہ معاملہ پیش ہؤا۔ تو حضرت صاحب نے پریذیڈنٹ لوکل انجمن کو فرمایا۔ کہ اس کے متعلق سخت نوٹس لیا جائے۔ کہ ایسی کارروائی کیوں کی گئی۔ جب لوکل پریذیڈنٹ نے احسان علی کو حضرت صاحب کا یہ ارشاد سنایا۔ تو اس نے برملا کہا۔ کہ حضرت صاحب کو اگر علم ہوتا۔ کہ رپورٹ احسان علی نے کی ہے۔ تو حضرت صاحب کچھ نہ فرماتے۔ اس کے بعد سنا تھا۔ کہ رپورٹ وغیرہ کارروائی مکمل ہو کر ذمہ وار لوگوں تک پہنچی۔ مگر کسی نے احسان علی سے کچھ نہ پوچھا۔

۵۔ میں نے کہا ہے۔ کہ عبدالرحمٰن کو بغیر کسی معقول qualification کے حال ہی میں دفتر تحریک جدید میں پچیس ۲۵ روپے ماہوار پر ملازم رکھ لیا ہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ تعلیم و تجربہ والے الف۔ اے اور بی۔ اے پاس تک یہاں پندرہ پندرہ بیس بیس پر ملازم ہیں۔ اور پھر اس کو ایسے وقت یہ خاص رعایت دی گئی ہے۔ جبکہ اس کے متعلق خفیہ رپورٹوں کے ذریعہ کئی ایک شکایات پہنچ چکی ہیں۔

(۶) مجھے مندرجہ ذیل الفاظ کہے ہوئے یاد نہیں۔ کہ "میں تو اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔" "اور میں انصاف کی توقع نہیں"۔

اور ممکن ہے۔ میں نے اس مفہوم کا فقرہ کہا ہو کہ ان الزامات کے متعلق خود دعوے کر کے اور بے عزت ہوں۔ کیونکہ یہ دعویٰ ہی اس قسم کا ہے۔ کہ اسکی جرح قدح میں ملزمین مدعیوں کو ذلیل کرنے کے لئے بہت کچھ خاک اڑا سکتے ہیں انتظامی طور پر رپورٹیں کافی سے زیادہ پہنچ چکی ہیں۔

۷۔ بجواب اس سوال کے کہ آیا آپ اس وقت بھی حضرت صاحب کی خدمت میں یا قضاء یا امور عامہ میں دعوے کرنے کو ہتک سمجھتے ہیں۔ عرض ہے۔ کہ نہیں بلکہ عنقریب میں احسان علی وغیرہ پر بقیہ مال مسروقہ کے متعلق قضاء میں دعوے کرنے والا ہوں۔ ڈاکٹر فضل الدین صاحب سے مختارنامہ منگایا ہؤا ہے۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب نے کسی کی طرف یہ بات لکھی تھی۔ کہ مجھے لکھا گیا تھا۔ کہ بعد فیصلہ مقدمہ کارروائی کی جائے گی۔

(۸) میں نے جہاں تک مجھے یاد ہے۔ مخبر کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ جا کر دعویٰ کریں۔ یہ کہا تھا۔ کہ ایسے حالات میں بعض دفعہ دعویٰ کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی۔ چنانچہ مقبول کے متعلق کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں ہؤا۔ صرف خفیہ رپورٹوں یا ذاتی معلومات کی بناء پر اس کے اخراج کا فیصلہ کیا گیا۔ نہ صرف اخراج کا بلکہ اس کے متعلق مقاطعہ کا خفیہ طور پر اعلان کیا گیا تھا۔ اسی طرح اب بھی ان کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ مجھے یہ فقرہ کہا ہؤا یاد نہیں۔ کہ "میں فیصلہ کے متعلق نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اگر سابقہ ناراضگی درمیان میں حائل ہو گئی تو ......"

بجواب سوال کمیشن کے عرض ہے۔ کہ واقعی عرصہ دو سال سے حضرت صاحب کسی نامعلوم وجہ کے ماتحت مجھ سے اور مصری صاحب سے اور مصباح الدین صاحب سے ناراضگی کا اظہار فرما چکے ہیں۔

۱۰۔ بجواب سوال کمیشن کہ کیا حضرت صاحب دیدہ دانستہ آپ کے خلاف فیصلہ کر دیں گے؟ عرض ہے کہ میں قبل از وقت اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ بحیثیت خلیفہ کے مجھے ان سے انصاف کی توقع ہے۔

۱۱۔ بجواب سوال کمیشن کہ جب آپ کو معلوم ہے۔ کہ حضرت صاحب آپ پر ناراض ہیں۔ تو آپ نے کوئی کوشش وجہ ناراضگی کے معلوم کرنے کے لئے کی۔ عرض ہے۔ کہ جن ذرائع سے مجھے اس اظہار ناراضگی کا علم ہؤا۔ انہی ذرائع سے میں نے بعض بیان کردہ وجوہات ناراضگی کا تسلی بخش جواب بھیجا۔ جو حضور تک پہنچ گیا۔ اور ان وجوہات میں جس قدر وجہ میرے امکان میں تھی۔ اس سے اجتناب کر لیا۔ مگر باوجود اس کے بھی ناراضگی بدستور چلی گئی۔ جس سے میں یہی سمجھتا ہوں۔ کہ وجوہات ناراضگی اور ہیں۔ جو ابھی تک ظاہر نہیں کئے گئے۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کے آخر میں میں نے ایک دعوت کی۔ جس میں علاوہ دیگر معزز دوستوں کے حضرت صاحب کی خدمت میں بھی دعوت نامہ بھیجا۔ اس پر حضرت صاحب نے بطور ناراضگی دعوت میں آنے سے انکار فرمایا۔ اس پر میں نے پھر مفصل عریضہ دوسرے روز لکھا جس میں غالباً وجوہات ناراضگی دریافت کی گئیں تھیں۔ اور پیشگی معافی بھی مانگی گئی تھی۔ مگر اسکا جواب کچھ نہ آیا۔ اس کے بعد سید عزیز اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ وجوہات ناراضگی میرے پاس پہنچیں۔ ان کے ایک ایک کر کے معقول اور مدلل جواب ان کے ذریعہ بھیجے۔ پھر اس کے بعد حضرت میاں بشیر احمد صاحب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے دسمبر ۳۶ء میں زبانی کوئی اشارہ کیا۔ اس پر بھی میں نے ان کو کہا۔ کہ مجھے بتلایا جائے۔ کہ میرے متعلق کیا شکایت ہے۔ تاکہ میں اس کا ازالہ کروں۔ مگر وہ بھی کوئی خاص معین شکایت نہ بتلا سکے۔ اس پر میں نے ان کی مزید تسلی کے لئے ایک مفصل عریضہ لکھا۔ جسکی نقل میں کمیشن کے مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمالیں۔ پس جب تک مجھے اصل وجہ ناراضگی کا علم نہ ہو۔ تب تک میں حضور کی ناراضگی کس طرح دور کرسکتا ہوں۔ اس سے قبل میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب بھی مجھے ناراضگی کے متعلق فرما چکے تھے۔ اس کے بعد ابھی ایک دو ماہ گذرتے ہیں۔ میاں محمد عبد اللہ خاں صاحب نے بیان کیا۔ جبکہ اسی خیال کے ماتحت خفیہ آدمی کئی ایک میرے اردگرد چھوڑ رکھے تھے۔ اس دو سال کے عرصہ میں انہیں کوئی بات مجھ سے سلسلہ کے خلاف نہ مل سکی۔ اور اگر ملیں۔ تو یہ چند شکایات جو میں نے ان سی۔ آئی۔ ڈی کو حضرت صاحب تک اپنی آواز پہنچانے کا ذریعہ سمجھ کر بیان کیں۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ سی۔ آئی۔ ڈی والے اپنی ڈائری مکمل کرنے کے لئے یا اسکی خانہ پری کرنے کے لئے مجھ سے خواہ مخواہ چھیڑ خوانی کرکے کچھ نہ کچھ نکالنے کے لئے کوشش کرتے تھے۔ اور یہ شکایات بھی دو سال کے عرصہ میں صرف اسی ایک دو ماہ کے عرصہ میں باقی تمام ڈیڑھ دو سال وہ ناکام رہے"۔

مجھے قطعاً یاد نہیں آتا۔ کہ میں نے یہ فقرہ کسی گفتگو کے دوران میں کہا۔ کہ اب تو ہمارا جلدی ہی اخراج ہونے والا ہے۔ یا اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس کے الفاظ کا اشارہ حضرت صاحب کے کسی خطبہ کی طرف ہو۔

(۱۲) بجواب اس کے کہ آپ کے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے۔ کہ حضرت صاحب نے آپ کیلئے سی۔ آئی۔ ڈی مقرر کی ہے۔ عرض ہے۔ کہ اسکا ثبوت میرا مشاہدہ اور رپورٹروں کا عمل۔ اور رپورٹروں کا بار بار میرے سی۔ آئی۔ ڈی کہنے پر ان کا انکار نہ کرنا۔ اور رپورٹروں کا خفیہ طور پر بار بار میرے پاس آکر مجھے اکسا کر بھڑکا کر اور میرے خلاف طبع باتیں سنا کر اشتعال دلا کر مجھے اس پر یقین کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر مولوی عبد الاحد اور ماسٹر غلام حیدر اور مولوی تاج الدین وغیرہ کا الگ کھڑے ہو کر سرگوشیاں کرنا وغیرہ سب امور ایسے ہیں۔ کہ جو مجھے اس امر کا باور کرانے کے لئے کافی ہیں۔

بجواب کمیشن عرض ہے۔ کہ مجھ سے ان میں سے کسی نے زبانی طور پر اقرار نہیں کیا۔ مگر عملی طور پر ان کا رویہ بالکل بین تھا۔ غالباً کسی اور نے بھی ان کا نام لیا تھا۔ کہ یہ آدمی خفیہ مقرر ہیں۔ مگر یاد نہیں کہ وہ کون تھے یا تھا۔ مگر ان کا رویہ ایسا رہا ہے۔ کہ کسی دوسرے کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳) اس کے بعد دوبارہ ایک تحریری بیان دیا۔ جس میں یہ لکھا۔ کہ پہلے بیان میں ذمہ وار لوگوں کے خلاف شکایت سے مراد میری خود خلیفۃ المسیح سے ہے۔ پھر لکھا ہے"۔ ہاں یہ میں ضرور عرض کرونگا۔ کہ اس امتیازی سلوک کا جو احسان علی وغیرہ سے ہمارے معاملہ میں کیا گیا۔ ہم کو رنج اور سخت رنج پہنچا۔ مگر اس رنج کا اثر نعوذ باللہ اتنا وسیع نہیں۔ کہ ہمارے ایمان اور عمل پر کسی طرح اثر انداز ہو۔ پھر یہ لکھا۔ کہ مصری صاحب کا بیان تھا۔ کہ خلیفۃ المسیح نے بار بار اور وثوق سے تسلی دلائی ہے۔ کہ چوری کے معاملہ میں احسان علی ملوث ہے۔ مگر دوران مقدمہ میں کوئی کارروائی نہیں کرسکتے۔ اس کے بعد کریں گے۔ اس پر مصری صاحب نے مرزا عبد الحق صاحب سے مشورہ کیا۔ جنہوں نے کہا۔ کہ قانوناً دوران مقدمہ میں ایسی کارروائی میں کچھ حرج نہیں۔ مگر پھر بھی ان کو اعانت اور جھوٹے الزامات لگانے سے نہیں روکا گیا۔ خلیفۃ المسیح نے تو یہ سلوک کیا۔ ان کے بھائیوں نے یہ کیا۔ کہ میاں بشیر احمد صاحب نے احسان علی کو مقدمہ کے لئے قرض دیا۔ اور سید منظور علی شاہ صاحب کو عبد المنان کی ضمانت دینے کیلئے سکول سے چھٹی دلوا کر گورداسپور بھیجا۔ میاں شریف احمد صاحب نے یہ سلوک کیا۔ کہ احسان علی نے ان نوٹے روپے مال مسروقہ کے نکلوا کر بھجوائے۔ لیکن انہوں نے باوجود علم کے کہ چوری میں نوٹے روپے بھی تھے۔ ہمیں علم تک نہ دیا۔ اور آخر تک مخفی رکھا۔ جب تک کہ احسان علی نے اسے بطور ڈیفنس کے پیش نہ کیا۔ پھر جیسا کہ احسان علی نے امور عامہ میں تحریر دی تھی۔ میاں شریف احمد صاحب نے اسے مشورہ دیا۔ کہ فوراً جا کر راجہ عمر دراز صاحب تھانیدار کو قابو کر لو۔ آگے لکھا ہے۔ دروغ برگردن راوی۔ جس پر معاملہ ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اور ہمیں ناظر امور عامہ سے مل کر سپرنٹنڈنٹ پولیس سے شکایت کرنی پڑی۔

پھر جب عبد الرحمٰن برادر احسان علی کا نام چوری میں شرکت کے بارہ میں لیا گیا۔ تو ہمیں ہدایت بھجوائی گئی۔ کہ اگر کسی کو مشتبہ قرار دیکر اسے چور ثابت نہ کرسکے۔ تو سخت نوٹس لیا جائے گا۔

"ان تمام واقعات اور حالات کو مدنظر رکھ کر ایک انسان جو حضرت صاحب اور حضرت میاں صاحبان اور نظارت امور عامہ پر کافی اعتماد رکھتا ہے۔ اور یقین رکھتا ہے۔ کہ یہ مقدس ہستیاں کبھی بھی چوروں کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہونگی۔ بلکہ مظلوموں بیکسوں اور بے گناہ دوستوں کی ہر ممکن امداد کرینگی ایسے انسان کو اس قسم کی غیر متوقعانہ امتیازی سلوک سے رنج پہنچا۔ اس کے احساسات کو دھکا لگنا فطرتی امر ہے"۔

بعد کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس پر بھی ہم نے حسن ظنی قائم رکھی۔ لیکن مقدمہ کے بعد بھی خاموشی ہے۔ اور ہمارے صبر کا صلہ یہ مل رہا ہے۔ کہ ہم پر سی۔ آئی۔ ڈی مسلط کر دی گئی ہے۔ احسان علی پر ڈاکٹر اسماعیل نے الزام لگائے۔ تو اسکی امداد کیلئے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روپیہ خرچ کیا گیا۔ مگر مظلوم لڑکیوں اور عورتوں پر گندے اور جھوٹے الزامات کی رپورٹیں حضرت صاحب تک پہنچتی ہیں۔ اڑھائی تین ہزار کی چوری ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے نظام سلسلہ کے ماتحت بھی سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ برعکس ان مظلوم عورتوں کی عفت کی حفاظت کرنے والوں کے خلاف منافقت کا پروپیگنڈا کر کے انہیں بدنام کیا جاتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے الزام لے کر کہا جاتا ہے۔ کہ گویا ہم حضرت صاحب اور نظام سلسلہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

بے تکلفانہ انداز میں میرے جیسے بے تکلف آدمی کے منہ سے صدہا ایسی باتیں نکلتی ہیں۔ جنہیں معمولی عقل کا آدمی بھی کوئی وقعت نہیں دیتا۔

کہا گیا ہے۔ کہ میں نے مولوی ظفر محمدؐ صاحب سے کہا۔ کہ تم ان خدمات کے بدلہ میں ناظر بنا دیئے جاؤ گے۔ اول تو مجھے یہ یاد نہیں۔ پھر ممکن ہے مذاق میں میں نے اس سے بھی بڑھ کر الفاظ کہے ہوں۔ خود مولوی ظفر محمدؐ صاحب مجھ سے مذاق کر لیتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے۔ مجھے ملے۔ اور ہنس کر کہا۔ کہ اب میں امور عامہ میں آگیا ہوں۔ (یعنے اب تمہاری خبر لوں گا) اسی طرح خان صاحب فرزند علی صاحب نے مذاق میں مجھ سے کہا۔ مجھے ناظر امور عامہ بننے دو۔ پھر خبر لوں گا۔ مگر یہ سب باتیں مذاق کی ہیں۔

کیا پرانا خادم ہونے کی حیثیت سے حضرت صاحب کا فرض نہ تھا۔ کہ مجھے بلا کر مربیانہ طور پر سمجھا دیتے حضرت عمرؓ کے روبرو تو لوگ کھڑے ہو کر اپنے اعتراضات پیش کر دیا کرتے تھے۔ اور اپنے مطالبات مرارت آمیز طریق پر پیش کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اب مقرر کردہ آدمیوں کے ذریعہ سے بات پہنچائی جائے۔ تو اس پر بھی گرفت کی جاتی ہے۔ اگر میں تحقیق کے موقعہ پر باتیں بیان نہ کرتا۔ تو منافق قرار پاتا۔ اب بیان کر دی ہیں۔ تو ملزم گردانا گیا ہوں۔ پہلے خلفاء لوگوں کی تکالیف چھپ چھپ کر معلوم کرتے تھے۔ مگر یہاں معاملہ اور ہے۔ بجائے دادرسی کے الٹا ہم پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔

حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ کی تقریر

اس بیان کی بنیادی کڑی جس پر ساری بنیاد ہے۔ یہ ہے۔ کہ میں فخرالدین صاحب پر بلاوجہ ناراض ہوا۔ اور ان کے لئے سی۔ آئی۔ ڈی مقرر کر دی۔ جو یہ تین آدمی ہیں۔ مولوی تاج دین صاحب۔ مولوی عبدالاحد صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب یہ تینوں صاحب آگے آجائیں۔

مولوی تاج دین صاحب مولوی عبدالاحد صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب کی حلف

چنانچہ یہ تینوں آگئے۔ اور حضور نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ تینوں جانتے ہیں۔ کہ یہ مسجد اقصیٰ ہے۔ جس کے متعلق قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ جگہ نہایت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اس مقام پر میں خلیفہ وقت ہونے کی حیثیت سے آپ لوگوں کو حلف دیتا ہوں۔ آپ لوگ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے وعید کو یاد رکھتے ہوئے قسم اٹھائیں۔ کہ میں نے کبھی آپ لوگوں کو اشارۃً کنایتاً یا وضاحتاً تقریراً یا تحریراً بلاواسطہ یا بالواسطہ فخرالدین صاحب کی نگرانی کے لئے یا ان کے متعلق رپورٹ کرنے کے لئے کہا تھا۔ اور حلف اٹھاتے وقت یاد رکھیں۔ کہ اگر ایک لفظ بھی جھوٹ کہا۔ تو آپ لوگ خدا کی لعنت سے نہیں بچ سکیں گے۔

نہ میں نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور نہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو بچا سکیں گے۔ اور اگر جھوٹ بولیں گے۔ تو آپ لوگوں کے گھر برباد ہو جائیں گے۔ (اس کے بعد ان تینوں اصحاب نے لعنت اللہ علی الکاذبین کے ساتھ یہ حلف اٹھائی۔ کہ حضور نے ہمیں کبھی اور کسی طرح بھی اس کام پر مقرر نہیں کیا۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ کہ میاں فخرالدین صاحب کے الزامات کی ساری بنا اس بات پر ہے کہ میں نے ان سے ناراض ہو کر ان پر سی۔ آئی ڈی مقرر کر دی۔ اور وہ مجھ پر بددیانتی کا الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ میں نے بلاوجہ ان پر عرصہ دو سال سے سی۔ آئی۔ ڈی مقرر کر رکھی ہے۔ اور سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی یہ ہیں۔ جنہوں نے آپ کے سامنے لعنت اللہ علی الکاذبین کہہ کر گواہی دی ہے۔ اس سے آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ میں ان پر بدظن ہوا۔ یا وہ مجھ پر بدظن ہوئے۔

پھر ان کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا میں نے سید عزیز اللہ شاہ صاحب سے ان کے متعلق از خود کوئی باتیں کیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں نے کوئی بات از خود ان سے نہیں کی۔ بلکہ سید صاحب چونکہ ان کے دوست تھے انہوں نے خود مجھ سے باتیں کیں تھیں۔

سید عزیز اللہ شاہ صاحب کا حلفی بیان

چنانچہ حضور کے بلانے پر جناب سید صاحب نے حلفیہ بیان کیا۔ کہ میاں فخرالدین صاحب کے متعلق میں نے حضور سے خود باتیں کی تھیں۔ حضور نے نہیں کی تھیں۔ اور جو کچھ آپ نے کہا۔ ان کو میں نے اپنے طور پر پہنچایا تھا۔ اور انہیں سنکر حضور تک پہنچانے کیلئے فخرالدین صاحب نے جو باتیں مجھ سے کہیں۔ وہ میں حضور تک نہیں پہنچا سکا تھا۔ اور جاتی دفعہ میں نے فخرالدین صاحب سے کہہ دیا تھا۔ کہ میں حضور سے نہیں مل سکا۔ اس لئے آپکی باتیں بھی حضور تک نہیں پہنچ سکیں۔ ہاں میں نے ہمشیرہ سے کہا ہے۔ کہ کسی طرح میاں فخرالدین صاحب کو حضرت صاحب سے ملوانے کی اجازت لے دیں۔ چنانچہ اب چار روز ہوئے۔ جب میں اجازت لے کر ان سے ملا ہوں۔ تو بھی میں نے ان کو یاد دلایا تھا۔ کہ آپ کا یہ کہنا کہ میں نے حضرت صاحب کو باتیں پہنچا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دی تھیں۔ مگر پھر بھی کوئی ازالہ نہیں ہوا۔ غلط ہے میں نے تو اسی وقت آپ سے کہا تھا۔ کہ میں حضرت صاحب سے نہیں مل سکا۔ اور آپ نے مجھ پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ کہ واہ میرا یہ کام بھی نہ کیا۔

میاں فخر الدین کی دیانت کا حال

پھر انہوں نے بیان میں لکھوایا ہے۔ کہ میں نے کسی سے نہیں کہا۔ کہ میرا اخراج ہونیوالا ہے۔ گو آگے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے۔ کہ کسی خطبہ کے متعلق نہیں کہا۔ حالانکہ اصل شہادت میں خطبہ کا لفظ نہیں۔ خطبہ کی طرف اشارہ تو راوی نے اپنی عقل سے سمجھا ہے۔ اصل لفظ گواہ کے اس بارہ میں یہ ہیں۔ فخر الدین صاحب نے اسی اثنا میں کہا۔ کہ "اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں"۔ (بیان مولوی عبد الاحد صاحب مولوی فاضل) اسکی تصدیق مولوی علی محمد صاحب اجمیری مولوی فاضل مبلغ سلسلہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ میں حلفیہ تصدیق کرتا ہوں۔ کہ بابو فخر الدین صاحب نے یہ الفاظ کہے تھے۔" ان الفاظ میں خطبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں مولوی عبد الاحد صاحب نے مولوی علی محمد صاحب سے بعد میں کہا۔ کہ ملتانی صاحب کا اشارہ خلیفۃ المسیح کے خطبہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ نہیں۔ کہ اس فقرہ کا مطلب مولوی عبد الاحد صاحب نے کیا سمجھا۔ سوال یہ ہے۔ کہ میاں فخر الدین صاحب نے کیا کہا تھا۔ سو انہوں نے اس فقرہ میں کہیں خطبہ کا ذکر نہیں کیا۔ صرف یہ کہا ہے کہ اب ہمارے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خواہ اس سے یہ مراد ہو۔ کہ ہمیں جماعت سے نکال دیا جائیگا۔ یا یہ کہ ہم خود جماعت سے نکل جائینگے مگر ان کی دیانت یہ ہے۔ کہ جواب دیتے ہوئے وہ ان الفاظ میں انکار کرتے ہیں۔ مجھے قطعاً یاد نہیں۔ کہ میں نے یہ فقرہ کسی گفتگو کے دوران میں کہا۔ کہ اب تو ہمارا جلدی ہی اخراج ہونے والا ہے۔ یا اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس کے الفاظ کا اشارہ حضرت صاحب کے کسی خطبہ کی طرف ہو"۔ آخری فقرہ کی زیادتی صاف بتاتی ہے۔ کہ ان کا منشا یہ تھا۔ کہ بظاہر تو یہ سمجھا جائے کہ میں نے یہ فقرہ کہا ہی نہیں۔ لیکن اگر ثابت ہو جائے تو میں کہہ سکوں۔ کہ میرا مطلب یہ تھا۔ کہ کسی خطبہ کے متعلق ایسا نہیں کہا تھا۔ حالانکہ گواہی میں جو ان کی طرف الفاظ منسوب کئے گئے ہیں۔ ان میں خطبہ کا لفظ ہی نہیں ہے۔ خطبہ کی طرف اشارہ تو صرف گواہ کے ذہن میں آیا ہے۔ اور اس نے بعد میں کسی دوست سے اس کا اظہار کیا ہے۔ اب میں میاں فخر الدین صاحب کی ایک اپنی تحریر سے ثابت کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے غلط انکار کیا ہے۔ یہ فقرہ وہ ایک سے زیادہ دفعہ کہہ چکے تھے۔ وہ اپنے ایک خط میں میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کو لکھتے ہیں:۔

"لو آج میں آپ کو کہتا ہوں۔ کہ قاضی اکمل کے فیصلہ کے وقت ہی میں اپنے اخراج کو بھی بھانپ گیا تھا۔ اور اسی وقت میں نے قاضی صاحب کو کہہ دیا تھا۔ کہ اب میری باری ہے"۔

اس فقرہ سے ظاہر ہے۔ کہ میاں فخر الدین اپنے دلی خیالات کی وجہ سے دیر سے اپنے اخراج کے امیدوار تھے۔ اور اس کا اظہار کر چکے تھے۔ مگر باوجود اس کے اپنے حلفیہ بیان میں وہ اس امر کا انکار کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو تسلی دلانے کیلئے انکار کے آگے کسی خطبہ کے متعلق نہیں کہا کے الفاظ بڑھا دیتے ہیں۔ حالانکہ گواہ نے صرف یہ کہا تھا۔ کہ انہوں نے یہ فقرہ کہا تھا۔ کہ اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس سے میں نے یہ سمجھا۔ کہ خطبہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

دل میں چور کا ثبوت

پھر لطیفہ یہ ہے۔ کہ میاں فخر الدین اپنے اوپر سی۔ آئی۔ ڈی مقرر ہونے کا ثبوت یہ دیتے ہیں۔ کہ مولوی عبد الاحد صاحب۔ مولوی تاج الدین صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب باہم سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ مگر یہ ثبوت تو جرم کی نفی کرنے کی بجائے جرم کو ثابت کرنے والا ہے۔ کیونکہ ایسی باتیں تبھی دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ جب دل میں جرم ہو۔ کہتے ہیں۔ کسی برہمن سے گائے کی بچھیا مر گئی۔ اور چونکہ ہندو مذہب میں یہ ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اور برہمن سے گائے مرے۔ تو اسکی سزا موت ہے۔ اس نے خیال کیا۔ کہ لوگوں کو جب اس کا علم ہوگا۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے گھر کو تالا لگا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن دل پر خوف اس قدر طاری تھا۔ کہ جہاں دو آدمیوں کو باتیں کرتے دیکھتا۔ خیال کرتا۔ کہ شاید ان کو میرے جرم کا پتہ لگ گیا ہے۔ اور میرے ہاتھ سے بچھیا مر جانے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس خیال کی وجہ سے گھبرایا ہوا ان کے پاس جاتا۔ اور پوچھتا۔ کہ آپ کیا باتیں کر رہے تھے۔ وہ جواب دیتے۔ کہ کچھ نہیں۔ ہم آپس میں کوئی اپنی بات کر رہے تھے۔ تمہارے متعلق کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ وہ کہتا۔ کہ میرا نام تو آپ نے لیا تھا۔ اور بچھیا۔ بچھیا کہہ کر آپ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پھر وہاں سے آگے چلتا۔ اور پھر جو آدمی باتیں کرتے ہوئے نظر آتے۔ ان سے اسی قسم کی بات کرتا۔ آخر لوگوں کے دلوں میں شک پیدا ہوا۔ اور شہر سے نکلنے سے پہلے لوگ اسے پکڑ کر اس کے گھر لائے۔ اور بچھیا مری ہوئی گھر سے مل گئی۔ اور اسے سزا مل گئی۔ اسی طرح ان صاحب کے دل میں چونکہ باغیانہ خیالات تھے۔ اور خلیفۂ وقت کے خلاف بدظنی کے خیالات پھیلا رہے تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ میں خلافِ شریعت اور خلاف آداب کام کرتا ہوں۔ اس لئے جہاں بھی دو آدمی کھڑے باتیں کرتے دیکھتے تھے۔ سمجھتے تھے۔ کہ یہ سی۔ آئی۔ ڈی کے ہیں۔ اور میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔

گندے اتہامات

میاں فخر الدین صاحب نے اپنے بیان میں بعض گندے اتہام مستریوں کی طرح گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے طور پر بھی لگائے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ مصری صاحب بھی اسی سلسلہ میں تیاری کر رہے ہیں میں اس بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیونکہ یہ ان کا کام ہے۔ کہ اپنی قانونی۔ اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنے الزامات کو شائع کریں۔ میرا یہ کام نہیں۔ میں اللہ تعالےٰ پر چھوڑتا ہوں۔ کہ وہ خود ان کو جواب دے۔

اب میں مقدمہ کے حالات کو لیتا ہوں۔ انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ احسان علی وغیرہ سے امتیازی سلوک کیا گیا۔ اور کہ میں نے مصری صاحب سے کہا تھا۔ کہ احسان علی بھی اس چوری میں ملوث ہے۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہتا ہوں۔ کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ میرا تو ہمیشہ سے یہ طریق رہا ہے۔ کہ جس کے متعلق کوئی جرم ثابت ہو۔ صرف اسی کے متعلق کہا کرتا ہوں۔ کہ وہ مجرم ہے۔ کسی کو بلا وجہ صرف الزام سنکر مجرم نہیں قرار دیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان لوگوں کی طرف سے پہلے یہ رپورٹ ہوئی۔ کہ شمس الدین جو ان کی بہن کا لڑکا ہے۔ جن کے ہاں چوری ہوئی تھی۔ چور ہے۔ اور اس کے کچھ دن بعد رپورٹ کی گئی۔ کہ عبد الرحمٰن برادر احسان علی صاحب نے شمس الدین سے مل کر چوری کی ہے۔ اس کے بعد ان کی طرف سے مجھے کئی دفعہ اطلاع ملی۔ کہ اس چوری میں احسان علی صاحب۔ عبد الرحمٰن اور ان کی والدہ بھی شامل ہیں۔ لیکن میں ان سے یہی کہتا رہا ہوں۔ کہ بلا ثبوت کسی کا نام نہ لیں۔ ہاں جس کے بارہ میں دلیل ملے۔ اسے پیش کرتے جائیں۔ ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس طرح بلا ثبوت نام لیتے چلے جانے سے کس قدر فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شریعت اس قسم کے شبہات کو جائز نہیں قرار دیتی۔ آخر جس کا نام لیا جائے۔ اگر وہ ملوث نہ ہو۔ اور بلا وجہ اسے بدنام کیا جائے۔ تو کیا وہ عزت کی ہتک کا دعویٰ نہ کرے گا۔ اور اگر وہ دعوےٰ نہ بھی کرے۔ تو کیا اس کے دل میں غصہ نہ پیدا ہوگا۔ پھر شریف پردہ دار عورتوں کا نام بے احتیاطی سے دے دینا کسقدر خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ غرض میری طرف سے انہیں احتیاط کی نصیحت ہوتی رہی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ کہ میں نے کبھی بھی یہ کہا ہو۔ کہ چوری میں احسان علی صاحب کا دخل تھا۔ میں یقیناً یہ سمجھتا ہوں۔ کہ چوری کے معلوم ہونے کے بعد احسان علی صاحب نے اپنے بھائی کے بچانے کی کوشش کی۔ مگر یہ تو دنیا کے اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اور کوئی انہیں چور نہیں قرار دیتا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ احسان علی صاحب کا خود چوری میں کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ اور کسی مرحلہ پر بھی مجھے ان کے متعلق یہ وہم نہیں ہوا۔ کہ وہ چوری میں شریک تھے۔ اور میں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا۔ کہ چوری کے معاملہ میں احسان علی ملوث ہے۔ یہ محض افترا ہے۔ خواہ مصری صاحب نے کیا ہو۔ یا ملتانی صاحب نے۔ ان کی طرف خود بات بنا کر منسوب کر دی ہو۔

چوری کا واقعہ

یہ چوری کا واقعہ غالباً فروری سنہ ۳۶ء کا ہے۔ جب میں سندھ میں تھا۔ واپس آنے پر مجھے معلوم ہوا۔ کہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کے ہاں چوری ہو گئی ہے۔ میں نے اس کے متعلق تحقیقات شروع کروائی۔ اور اظہار ہمدردی کرتے ہوئے امور عامہ کی معرفت ان کے گھر سے دریافت کروایا۔ کہ انہیں کسی پر شبہ تو نہیں۔ ان کی طرف سے مصری صاحب یا ملتانی صاحب نے امور عامہ کو بتایا۔ کہ شمس الدین پسر احمد دین صاحب زرگر جو اہلیہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کی بہن کا لڑکا ہے۔ صرف اسے کنجیوں کا پتہ تھا۔ اور تالا ایسا ہے۔ کہ جس کے کھولنے کی خاص ترکیبیں ہیں۔ اور کنجی کے اندر ایسی حرکت رکھی گئی ہے۔ کہ جب تک وہ نہ ہو۔ کنجی لگتی ہی نہیں۔ شمس الدین چونکہ گھر میں آتا جاتا تھا۔ اس لئے ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ اس کے سامنے چونکہ تالا کھولا جاتا تھا۔ اسے علم ہو گیا ہوگا۔ چنانچہ شمس الدین کے خلاف کارروائی شروع ہو گئی۔ اس پر اسکی والدہ روتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اور کہا کہ اس کے لڑکے پر خواہ مخواہ الزام لگایا گیا ہے۔ وہ تو اس وقت گھر میں تھا۔ غالباً وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس نے کہا۔ میں نے اسے بھیجا۔ کہ جا کر نماز پڑھے۔ وہ اٹھ کر گیا۔ اور اسی وقت واپس آگیا۔ کہ نماز ہو گئی ہے۔ اس طرح گویا وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اور بہنوں کی رنجش کی وجہ سے ہم تو ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے بھی نہیں۔ وہ بہت روئی۔ مگر میں نے اسے کہا۔ کہ ہم تحقیقات تو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ صاحب خانہ کا بیان ہے۔ کہ تالا ایسا تھا۔ جسے واقف کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا۔ اول چور نے کنجی تلاش کی ہے۔ پھر اس کنجی کو جس کے لگانے میں خاص راز ہے۔ صحیح طور پر استعمال کیا ہے۔ پس کنجی رکھنے کی جگہ کا علم ہونا اور پھر کنجی کے استعمال کا علم ہونا صاحب خانہ کے نزدیک ایسے شخص پر دلالت کرتا ہے۔ جو گھر کا رازدان ہو۔ ان حالات میں ان کا شبہ اگر میاں شمس الدین پر ہو۔ تو خواہ غلط ہو۔ ہمیں تحقیق پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر تم خیال کرتی ہو۔ کہ تمہارا لڑکا مجرم نہیں۔ تو تم خدا تعالےٰ کے حضور گریہ وزاری کرو۔ اور اسے کہو۔ کہ تو جانتا ہے۔ ہم مجرم نہیں ہیں۔ اور اگر واقعی تمہارا بچہ مجرم نہیں۔ تو وہ اسے ضرور بچا لے گا۔ چنانچہ اس نے میری نصیحت پر عمل کیا۔ اور میرے سامنے ہی لمبی لمبی ڈال کر دعائیں کرنی شروع کیں۔ اور میں نے دل میں اسی وقت کہا۔ کہ یا تو اس کا بچہ بچ جائیگا۔ اور اگر مجرم ہے۔ تو تباہ ہو جائے گا۔ شمس الدین کی والدہ نے مجھ سے بھی درخواست کی۔ کہ میں اس کے بچہ کو بلا کر سب حالات سنوں۔ تاکہ مجھے حقیقت معلوم ہو جائے۔ اور میں نے اسے کہا۔ کہ اسے میرے پاس بھیج دینا۔ چنانچہ وہ آیا۔ اور اس نے حالات سنائے۔ جس سے میرے دل پر یہ اثر ہوا۔ کہ یہ لڑکا چور نہیں ہے۔ دوسرے تیسرے دن مجھے ناظر امور عامہ نے اطلاع دی۔ کہ مصری صاحب کی پارٹی کا خیال ہے۔ کہ عبد الرحمٰن برادر احسان علی بھی چوری میں شریک ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا۔ کہ شمس الدین پر شک کی تو ایک وجہ بتائی گئی ہے۔ کہ اسکی گھر میں آمد و رفت تھی۔ اور کنجی کا راز اسے معلوم تھا۔ غیر کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ عبد الرحمٰن پر شک کے لئے اگر کوئی قرینہ ہو۔ تو بتائیں۔ ورنہ شریعت کی رو سے وہ خود زیر الزام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آجائیں گے۔ اور اس طرح بجائے فائدہ کے نقصان اٹھائیں گے۔ شمس الدین پر شک کی وجہ ایسی تھی۔ کہ اس پر سوال اور جرح کی جا سکتی تھی۔ اسی طرح کسی اور پر شبہ کے لئے بھی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ یہ بات ان کے فائدہ کی تھی۔ کیونکہ بلا وجہ کسی پر شک کرنے سے آدمی خود زیر الزام ہو سکتا ہے۔ اور مظلوم ہوتے ہوئے الٹا ظالم کے مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ چوری وغیرہ کی قسم کے جرائم میں شکوک پر تحقیق کی بنیاد ہوتی ہے۔ مگر شکوک تخمینیہ پر اسکی بنیاد ہوتی ہے۔ نہ کہ شکوک وہمیہ پر۔ پس میں نے ان کے فائدہ کی ان کو بات کہی۔ اور چونکہ انہوں نے جہاں تک میرا علم ہے۔ کوئی ایسی تخمینی بات اس وقت مجھے نہیں بتائی۔ جس سے اس کے خلاف کارروائی کی جاتی۔ میں نے یہی خیال کیا۔ کہ وہ اس نصیحت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ انہوں نے اسے ظلم قرار دے کر اپنے دل میں ایک گرہ دے لی ہے۔ مگر بعد کے واقعات بتاتے ہیں۔ کہ ان کا عبد الرحمٰن کا نام لینا کسی حقیقت پر مبنی نہ تھا۔ کیونکہ اس وقوعہ کے عرصہ بعد جب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس ناظر امور عامہ ہو آئے تھے۔ دار الحمد کے باغ میں مصری صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ فلاں شخص کے پاس اس امر کے ثبوت ہیں۔ کہ عبد الرحمٰن چوری میں شامل تھا۔ وہ شخص غالباً قادیان سے چلا گیا۔ اور میں اس سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ لیکن اسی عرصہ میں حکومت کی طرف سے ایک انسپکٹر پولیس اور ایک تھانہ دار ناظر امور عامہ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ملنے کے نتیجہ میں چوری کی تحقیق کے لئے مقرر ہوئے۔ اور مصری صاحب اور ملتانی صاحب برابر ان کے ساتھ تفتیش میں مشغول رہے۔ مگر وہ شکوک جو انہوں نے میرے پاس بیان کئے تھے۔ یا تو ان کے پاس انہوں نے بیان نہیں کئے۔ یا پھر پولیس نے انہیں قابل توجہ سمجھا نہیں۔ کیونکہ پولیس نے عبد الرحمٰن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ جس سے دو باتوں میں سے ایک ظاہر ہے۔ یا تو یہ کہ یہ لوگ خود سمجھتے تھے۔ کہ جن کو ہم ثبوت کہتے ہیں وہ ثبوت نہیں ہیں۔ یا پھر یہ کہ پولیس نے ان کو ثبوت نہیں سمجھا۔ دونوں صورتوں میں ان کا شکوہ بے جا ثابت ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں نے جو نصیحت انہیں کی تھی۔ وہ ان کے فائدے کے لئے تھی۔ ورنہ وجہ کیا ہے۔ کہ انہوں نے ان شواہد کو پولیس کے آگے پیش نہ کیا۔ یا کیا۔ تو انہوں نے جو بالکل غیر جانبدار تھے۔ اس طرف توجہ نہ کی۔ اگر ان دونوں وجوہ کے علاوہ کوئی اور مصلحت تھی۔ تو وہ ان کو ظاہر کرنی چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ میرا صرف یہ جرم تھا۔ کہ میں نے ان کی اور ساری جماعت کی خیر خواہی کی۔ اور اسلام کے اس اصول کی طرف انہیں توجہ دلائی۔ کہ تحقیق کی بنیاد بھی بعض دلائل پر خواہ وہ کمزور ہوں۔ ہونی چاہیئے۔ نہ کہ محض وہم پر۔ اگر اس وہم کے راستہ کو ہم کھول دیں۔ تو کسی شریف کی عزت باقی نہیں رہتی۔ اگر کسی اور کے ہاں چوری ہوتی۔ اور وہ کہتا۔ کہ مصری صاحب اور فخر الدین صاحب نے میرے ہاں چوری کی ہے۔ تو کیا وہ اس الزام کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے اور کہتے کہ بہت اچھا تحقیق کر لو۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ وہ سخت ناراضگی کا اظہار کرتے۔ اور مطالبہ کرتے۔ کہ اس شخص کو سزا ملنی چاہیئے۔ غرض جس شخص کے بارہ میں انہوں نے شک کی وجہ بتائی۔ اس کی محکمانہ تحقیق شروع کر دی گئی۔ اور پولیس کو بھی اطلاع کر دی گئی۔ جنہوں نے مختلف آدمیوں کو بطور جاسوس اس پر مقرر کیا۔ اور بعد تحقیق انہیں معلوم ہوا۔ کہ اس پر شبہ درست نہیں۔

چوری کے متعلق دوسری رپورٹ

اس کے چند دن بعد ایک روز شام کے بعد مصری صاحب کا لڑکا حافظ بشیر احمد میرے پاس آیا۔ میں اس وقت غالباً ام طاہر کے ہاں تھا۔ اس نے دستک دی۔ اور میں باہر آیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ آج ایک سراغ ملا ہے۔ مگر ہم اسے استعمال نہیں کر سکتے۔ آج عبد المنان برادر احسان علی کہیں باہر سے آیا ہے۔ اور اس کے پاس ایک گھڑی تلوار اور کچھ نقدی دیکھی گئی ہے۔ وہ ڈاکٹر صاحب کا ہمسایہ بھی ہے۔ اس لئے شک گزرتا ہے۔ کہ وہ چور ہو۔ اور سنا گیا ہے۔ کہ وہ صبح ہی واپس چلا جائیگا۔ اس لئے فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا۔ تم ابھی میری طرف سے آدمی لے جاؤ۔ اور اس کے مکان کے اردگرد پہرہ لگا دو۔ اور عبد المنان جس وقت باہر آئے۔ اسے کہو۔ کہ تم کو (حضرت) خلیفۃ المسیح بلاتے ہیں۔ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ اور اگر کوئی مزاحم ہو۔ تو اسے بھی کہہ دو۔ کہ خلیفۃ المسیح کا حکم ہے۔ کہ اسے وہاں لے جایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں کچھ آدمی مقرر کر دیئے۔ اور میرا حکم بتا کر اسے پکڑ لائے۔ اور بغیر میرے حکم کے وہ قانوناً اسے نہیں پکڑ سکتے تھے۔ کیونکہ میرے حکم کے بعد وہ اپنی مرضی سے ساتھ ہو گیا۔ اس کے بغیر اسے اگر وہ پکڑتے تو جبراً پکڑتے۔ اور جبراً کسی کو پکڑنا خود ایک جرم ہے۔ حتیٰ کہ پولیس بھی خاص اختیارات یا وارنٹ کے بغیر کسی کو نہیں پکڑ سکتی۔ مگر میاں فخر الدین صاحب کی دیانتداری دیکھیں۔ کہ وہ لکھتے ہیں۔ "آخر جب ہم نے رات کو اسے جا کر قابو کیا"۔ حالانکہ اگر میری مدد اور میرے حکم کے بغیر وہ اسے پکڑتے۔ تو انہیں طاقت استعمال کرنی پڑتی۔ اور وہ wrongful custody کے مجرم ہوتے۔ اور خود سزا پاتے۔ یہ میری روحانی طاقت ہی تھی۔ کہ نہ اس کا باپ بولا۔ اور نہ بھائی۔ مگر ان لوگوں کی دیانتداری یہ ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم نے اسے قابو کیا۔ اگر وہ اتنے ہی دلیر ہیں۔ تو کیوں اب اس شخص کو جا کر نہیں پکڑ لیتے۔ جس کے متعلق وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ سودیشی چور تھے۔ اور انہوں نے اسکی کھڑکی توڑی تھی۔ پس عبد المنان کو میں نے اپنے حکم سے پکڑوایا۔ اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میرے حکم کی وجہ سے اس نے اپنے قانونی حق کو ترک کیا۔ وہ بے شک چور تھا۔ مگر اس نے یہ شرافت دکھائی۔ کہ جس شخص کی طرف میں منسوب ہوں۔ اس کا حکم مجھے رد نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر ان لوگوں کی شرافت یہ ہے۔ کہ کہانی کو میرے خلاف زور دار بنانے کے لئے جو کام میں نے کیا۔ اسے اپنی طرف منسوب کرتے جاتے ہیں۔ خیر اس کے بعد یہ ہوا۔ کہ لڑکا تو محفوظ کر کے بٹھا دیا گیا۔ اور میں نے اطلاع ملنے پر شیخ محمود احمد صاحب ولد مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو بیان وغیرہ لینے کیلئے مقرر کیا۔

شیخ محمود احمد صاحب کی شہادت

حضور نے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کو بلا کر ان کا حلفیہ بیان لیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ ناظر صاحب امور عامہ یہاں نہیں ہیں۔ اس لئے تم بحیثیت محتسب جاؤ۔ اور اسے پکڑ کر لے آؤ۔ اور اس کا بیان لو۔ چنانچہ میں گیا۔ اور اس کے والد کو بلا کر حضور کے ارشاد سے مطلع کیا۔ اور انہوں نے فوراً عبد المنان کو لا کر میرے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ میں اسے لے آیا۔ اور اس کا بیان قلمبند کیا، اسی بیان میں اس نے تسلیم کر لیا۔ کہ میں نے چوری کی تھی۔ اور اسکی تفصیلات بھی بتائیں اور جہاں تک چوری کا تعلق ہے۔ اس نے سب ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ ہاں مال کے فروخت کرنے کے متعلق اس نے باہر کے ایک غیر احمدی کی امداد لینے کا ذکر کیا۔ شیخ صاحب نے اس بیان کا مجھ سے آکر ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہا۔ کہ اس کے رشتہ دار حرجانہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اسی دن یا دوسرے دن مجھے غالباً امور عامہ کی طرف سے اطلاع ملی۔ یا مجھے براہ راست کہا گیا۔ یا دونوں طرح واقعہ ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ مگر مجھے کہا گیا۔ کہ مصری صاحب چاہتے ہیں۔ کہ مال اگر مل جاوے۔ تو وہ سزا دلانے پر زور نہ دیں گے۔ اس پر میں نے شیخ محمود احمد صاحب سے کہا۔ کہ اگر تو وہ لوگ پورا نقصان پورا کرنے کو تیار ہوں۔ تو میں مصری صاحب سے سفارش کر دوں گا۔ لیکن اگر یونہی تھوڑا سا نقصان پورا کرنے کو کہیں۔ تو میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا۔ کہ مجھے معلوم تھا۔ کہ ان لوگوں کی مالی حالت ایسی نہیں۔ کہ وہ اڑھائی ہزار روپیہ یکمشت یا قریب عرصہ میں ادا کر دیں۔ اور میں ڈرتا تھا۔ کہ بعد میں غلط فہمیاں پیدا ہو کر مزید بدگمانیوں اور فتنوں کا دروازہ نہ کھل جائے۔ چنانچہ میرا شبہ درست نکلا۔ اور معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ جو تھوڑا سا مال ملا ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سو روپیہ وہ دے سکیں گے۔ اس پر میں نے مناسب نہ سمجھا۔ کہ میں دخل دوں۔ اگر وہ پورا نقصان برداشت کرنے کو تیار ہوتے۔ تو میں امور عامہ سے سفارش کرتا۔ کہ وہ پولیس افسران سے مل کر چونکہ ملزم چھوٹا لڑکا تھا۔ مقدمہ واپس لینے کی سفارش کر دیں۔ مگر بوجہ رشتہ داروں کے پورا نقصان ادا کرنے سے معذوری ظاہر کرنے کے وہ بات رہ گئی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ عبد المنان نے اپنے بیان میں ایک اور شخص کا نام بھی لیا تھا۔ کہ چوری کا مال اس کے ذریعہ سے فروخت ہوا۔ اور یہ کہ اس نے اکثر حصہ اپنے پاس رکھ لیا۔ اسکی بنا پر میں نے ناظر صاحب امور عامہ کو ہدایت کی۔ کہ وہ کسی معتبر آدمی کو ڈاکٹر احسان علی صاحب کے ساتھ جالندھر روانہ کریں۔ اور وہ جا کر یہ کوشش کریں۔ کہ اس شخص سے بھی مال مل جائے۔ چنانچہ ناظر صاحب نے میرے حکم کے ماتحت جالندھر آدمی بھیجا۔ دوسرے روز میں نے ان سے دریافت کیا۔ کہ کیا کوئی آدمی آپ نے بھیجا ہے۔ تو انہوں نے بتایا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی صاحب اور خلیفہ صلاح الدین صاحب کو بھیج دیا ہے۔ اس پر میں نے اظہار ناراضگی کیا۔ اور کہا۔ کہ صلاح الدین تو ان کا رشتہ دار ہے۔ اس سے دوسرے فریق کو خواہ مخواہ شبہ ہوگا۔ آپ کو ایسا آدمی بھیجنا چاہیئے تھا۔ جو بالکل بے تعلق ہوتا۔

خانصاحب فرزند علی صاحب کی حلفیہ شہادت

(حضور نے خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو جو اس وقت ناظر امور عامہ تھے۔ بلا کر اس واقعہ کے متعلق حلفیہ بیان لیا۔ اور خانصاحب نے قسم اٹھا کر بیان کیا۔ کہ یہ بات حرف بحرف درست ہے) خلیفہ صلاح الدین میری بڑی بیوی کے بھائی ہیں۔ اور ڈاکٹر احسان علی کے بہنوئی ہیں۔ میری احتیاط کو دیکھو۔ کہ میں نے ان کے ساتھ بھیجنے پر بھی محکمہ پر اعتراض کیا۔ کہ دوسرا آدمی تو دوسرے فریق کے حقوق کی نگرانی کے لئے چاہیئے تھا۔ آپ نے ایک ہی فریق کے دو آدمی کیوں بھجوائے۔ لیکن یہ معترضین کہہ رہے ہیں۔ کہ میں ڈاکٹر احسان علی صاحب کی ناواجب طرفداری کر رہا تھا۔ اور امور عامہ کو آڑ بنا کر ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

ڈاکٹر احسان علی صاحب کو سخت تنبیہ

جب معاملہ یہاں تک پہنچا۔ تو مجھے اطلاع ملی۔ کہ عبد المنان بعض ایسی باتیں کرتا ہے۔ جس سے اسکی غرض ڈاکٹر فضل دین صاحب کے گھر کے بعض افراد کو بعض اخلاقی الزامات کے نیچے لانا ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی مجھے ڈاکٹر احسان علی صاحب کی چٹھی ملی۔ کہ بعض ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں۔ جو صورت حالات کو بالکل بدل دیتے ہیں۔ معاملہ بہت خطرناک ہو گیا ہے۔ اور سخت بدنامی کا موجب ہوگا۔ مجھے ملنے کا موقعہ دیا جائے۔ میں نے ان کو ملنے کا موقعہ دیا۔ اور ان سے وہ کہانی سنی۔ جو انہوں نے کہا۔ کہ عبد المنان بیان کرتا ہے۔ اور جس سے اسکی غرض ڈاکٹر فضل دین صاحب کے گھر کے بعض افراد پر اخلاقی الزام لگانا تھی۔ میں نے اس کہانی کو سنکر صاف کہہ دیا۔ کہ میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں۔ ملزم کا پہلا بیان ہمارے پاس موجود ہے۔ جس میں وہ مال نکالنے کا اقرار کرتا ہے۔ اب کوئی تشریح اسکی ہم سننے کو تیار نہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ خلاف شریعت ہو۔ اور اس کے لئے شریعت نے ثبوت کا ایک خاص طریق مقرر کیا ہو۔ جسکی پابندی لازمی ہو۔ آپ لوگ کہتے تھے۔ کہ وہ پاگل ہے۔ اب آپ کہتے ہیں۔ کہ اسکا پہلا بیان جھوٹا تھا۔ جب وہ پاگل ہے۔ تو اس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

متعلق جھوٹ سچ کا سوال ہی کیوں کر پیدا ہوا۔ کیا اب اس کا جنون دور ہو گیا ہے۔ اور اگر اس کا پہلا بیان جھوٹا تھا۔ تو ہم کیونکر تسلیم کریں۔ کہ اس کا دوسرا بیان سچا ہے۔ جب اس نے پہلے بیان میں اپنے جرم کو تسلیم کر لیا تھا۔ تو اگر وہ اب انکار کرتا اور کوئی دوسرا بیان دیتا ہے۔ تو میں تو یہی سمجھونگا۔ کہ دوسرے لوگوں نے اسے یہ پٹی پڑھائی ہے۔ اور اگر اس نے کوئی ایسی بات کی۔ تو میں بہت سختی سے نوٹس لوں گا۔ پھر میں نے کہا۔ کہ چیزیں اس کے پاس سے نکلی ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک وہی ذمہ وار ہے۔

یہ باتیں میں نے اس قدر سختی سے کیں۔ کہ احسان علی کے ہونٹ خشک اور چہرہ زرد ہو گیا۔ اور ڈر کے مارے اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ میں نے اسے یہ بھی کہا۔ کہ میں ان بدنامی کی باتوں سے نہیں ڈرتا۔ میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کروں گا۔ اور پوری طرح صداقت کو ظاہر کروا کے چھوڑوں گا۔ اور یہ کہہ کر انہیں رخصت کر دیا۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ کہ ملزم اب تک بیان بدل رہا ہے۔ اس پر میں نے علیحدہ طور پر بھی اور ایک دعوت ولیمہ کے موقعہ پر بھی جو غالباً میاں محمد الدین صاحب واصلباقی نویس کھاریاں کے کسی لڑکے کی شادی کے موقعہ پر ہوئی تھی۔ ناظر صاحب امور عامہ سے مجلس میں کہا۔ کہ آپ عبدالمنان کے والد اور بھائی کو بلا کر کہہ دیں۔ کہ اگر وہ سچا بیان نہ دیگا۔ تو بھی وہ بچ نہیں سکتا۔ پھر اس کا معاملہ خدا تعالے اور سلسلہ سے ہو گا۔ چنانچہ ناظر صاحب نے ڈاکٹر فیض علی صاحب کو سمجھایا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب مولوی ظفر محمد صاحب کے ساتھ تھانے گئے۔ اور وہاں جا کر بروایت مولوی ظفر محمد صاحب اپنے بیٹے کو سمجھایا۔ کہ دیکھو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھو۔ اور جو سچ ہو۔ وہ کہو۔ تا کہ مزید عذاب میں مبتلا نہ ہو۔ اور ایمان ضائع نہ ہو۔

پولیس کو اطلاع

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ کہ بعض لوگ جا کر پولیس والوں سے کہتے ہیں۔ کہ ملزم میرا رشتہ دار ہے۔ اور کہ اسکی گرفتاری میری ناراضگی کا موجب ہو گی۔ اس پر میں نے وہ کام کیا۔ جو ساری عمر میں کبھی نہیں کیا۔ یعنی میں نے انچارج صاحب چوکی کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ مہربانی کر کے مجھ سے آ کر ملیں۔ تو میں ممنون ہوں گا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ اور میں نے ان سے کہا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ اور آپ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع بھی کئی دفعہ ملی ہے۔ کہ آپ انصاف کے معاملہ میں جماعت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ اب اس وقت یہ معاملہ درپیش ہے۔ ملزم کے متعلق میں نے سنا ہے۔ کسی نے آپ سے کہا ہے۔ کہ وہ میرا رشتہ دار ہے۔ اول تو اس کے ساتھ میری کوئی ایسی رشتہ داری نہیں۔ لیکن اگر ہو بھی تو اس مقام پر اگر میرا اپنا بیٹا بھی ہو۔ تو میں اسکی پرواہ نہیں کرونگا۔ وہ ہمارے سامنے چوری کا اقرار کر چکا ہے۔ اب آپ لوگوں کا کام ہے۔ کہ اس کے خلاف اس طرح کارروائی کریں۔ کہ وہ اپنے کئے کی سزا پائے۔ کیونکہ اگر ایسے امور جاری رہیں۔ تو قومی اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ پس ملزم کی رعایت گویا ہم پر ظلم ہو گا۔ آخر میں میں نے انہیں یہ بھی کہا۔ کہ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مقدمہ کے بعد آپ کہدیں۔ کہ ہم نے تو کوشش کی تھی۔ مگر پھر بھی عدالت نے ملزم کو چھوڑ دیا۔ واقعات روزِ روشن کی طرح ثابت ہیں۔ ملزم خود اقراری ہے۔ اب اگر وہ چھوٹے۔ تو اس کا یہ مطلب ہو گا۔ کہ پولیس نے صحیح طور پر مقدمہ کی پیروی نہیں کی۔ اور وہ مجھ سے یہ وعدہ کر کے کہ بالکل سچی کارروائی ہو گی۔ رخصت ہوئے۔ اس گفتگو کی صحت کا مزید ثبوت یہ ہے۔ کہ جب سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو پولیس کی سستی کی طرف توجہ دلائی گئی۔ تو انچارج صاحب تھانہ نے بیان دیا۔ کہ ہم سستی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ خود امام جماعت احمدیہ نے اس فعل سے بریت ظاہر کرتے ہوئے ہمیں تاکید کی تھی۔ کہ اس چوری کو چھپانا نہیں۔ بلکہ نکالنا چاہیئے۔ پس اس کے بعد ہمیں کسی دوسرے کا لحاظ کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ صاحب اب بھی ضلع گورداسپور میں ہیں۔ اور گو انہیں نظام سلسلہ سے بعض اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔ مگر میں امید کرتا ہوں۔ کہ وہ اس گواہی کو نہیں چھپائیں گے۔ اور مجھے رپورٹ بھی ملی ہے۔ کہ جب ان سے ایک احمدی نے اس کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا۔ میں یہ سچی گواہی ہر جگہ دینے کو تیار ہوں۔

کچھ رشتہ داری کے متعلق

اس جگہ میں رشتہ داری کے متعلق بھی کچھ کہدینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ دونوں فریق نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ملزم میری بڑی بیوی کی سوتیلی والدہ کے بھائی کا بیٹا ہے۔ یہ تعلق ایک رنگ میں رشتہ داری ہے۔ اور ایک رنگ میں نہیں بھی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم فوت ہو چکے ہیں۔ وہ ایک پرانے صحابی سابقون الاولون اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص حواریوں میں سے تھے۔ سلسلہ کی انہوں نے اسقدر خدمت کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخر انہیں ایک خط لکھا۔ کہ اس قدر مالی خدمت کے بعد اب آپ کو مزید خدمت سے آزاد کیا جاتا ہے۔ مگر وہ استطاعت سے بڑھ کر ہمیشہ مالی خدمت کرتے رہے۔ صاحب الہام و کشف تھے۔ اور سلسلہ کی خدمت کا جوش رکھتے تھے۔ میں ان پر حرف گیری نہیں کرتا۔ انسان کے اندرونی حالات سے دوسرا انسان واقف نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں جانتا۔ کونسی معذوریاں انہیں تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ خدا تعالے کے حضور اپنے آپ کو بری سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت حال یہ تھی۔ کہ انہوں نے اپنی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بڑی بیوی کو جو میری ساس ہیں۔ اپنے سے الگ کیا ہوا تھا۔ اور آخر تک الگ رکھا۔ ان کو طلاق نہ دی تھی۔ مگر انہیں ساتھ بھی نہیں رکھتے تھے۔ میں چونکہ اندرونی حالات سے واقف نہیں۔ میں کسی پر بھی الزام نہیں دیتا ڈاکٹر صاحب مرحوم کو میں ایک نیک اور پاکباز انسان سمجھتا ہوں۔ اور اپنی ساس میں بھی کوئی ایسا عیب مجھے نہیں معلوم۔ جس کی وجہ سے ان کو یہ سزا دی جاتی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ آپس میں کوئی ایسا سمجھوتا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری ساس نے اپنے حقوق چھوڑ دیئے تھے۔ میں نے اپنے اطمینان قلب کو مد نظر رکھتے ہوئے کبھی ان باتوں میں پڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اور سلسلہ کی طرف سے بھی ایسا نظام نہ تھا۔ بلکہ اب تک نہیں۔ کہ ایسے واقعات کو سلسلہ اپنے ہاتھ میں لیکر فیصلہ کرے۔ بہر حال صورت حالات یہ تھی۔ اور اگر دنیاداری کو مد نظر رکھا جائے۔ تو مجھے اپنی ساس کے ان رشتہ داروں سے کوئی خاص رشتہ داری کا تعلق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہ تعلق نہ حسبی تعلق ہے۔ اور نہ نسبی۔ ہاں چونکہ میری بیوی کی سوتیلی والدہ پختہ احمدی ہیں۔ اور احمدیت کا خاص جوش رکھتی ہیں۔ اس لئے مجھے ان سے اپنی حقیقی ساس کی نسبت زیادہ تعلق رہا ہے۔ اور میں ان سے حقیقی ساس کی نسبت بے تکلف ہوں۔ آگے اپنے سالوں سالیوں میں میں نے کبھی سگے اور سوتیلے کا فرق نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ عزیزم کیپٹن تقی الدین جو میرے دو حقیقی سالوں میں سے ایک ہیں۔ مجھے خاص طور پر پیارے ہیں۔ کیونکہ میں نے ان کو بچپن سے ان کے والد سے لے کر اپنے گھر میں رکھا تھا۔ مجھے کبھی تقی الدین اور اپنے بچوں میں فرق محسوس نہیں ہوا۔ میرے لئے آج تک ناصر احمد اور تقی الدین ایک سے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے خاندانی حالات ان کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ دنیاوی لحاظ سے مجھے مجرم کا کوئی لحاظ ہو سکتا تھا۔ آخر تعلقات کو دو ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یا دنیاوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے۔

اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو یہ رشتہ لڑائی کا ہوتا ہے۔ محبت کا نہیں۔ اور اگر دینی لحاظ کو لیا جائے۔ تو کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ جو شخص دین کی خاطر دنیوی جھگڑوں کو بھلا کر اپنے سوتیلے رشتہ داروں کو سگوں کی طرح سمجھے گا۔ وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے موقعہ پر ان کا ساتھ دیگا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ تو دنیا دار ہے۔ اور دنیا دار کب مذکورہ بالا حالات میں محبت کا سلوک رکھنا پسند کریگا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ میری سوتیلی ساس کا تعلق احمدیت کی وجہ سے ہے۔ وہ پختہ احمدی ہیں۔ اور جوشیلی احمدی ہیں۔ اس لئے کبھی میرے دل پر اس بد مزگی کا اثر جو ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ان کی بڑی بیوی میں تھی۔ ان کے بارے میں نہیں پڑا۔ میں نے ان کو ہمیشہ عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جیسا کہ قابل احترام بڑے رشتہ دار کو دیکھنا چاہیئے۔ اور اب تک اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ان کے بچوں سے بھی ان کے والد اور والدہ کے لحاظ سے میرے تعلقات ہیں۔ بعض کی احمدیت سے ذاتی محبت کی وجہ سے زیادہ بعض کی بے پرواہی کی وجہ سے کم آگے رہے ان کے رشتہ داران سے تعلقات صرف ان تعلقات کی بناء پر ہیں۔ جو وہ خود رکھتے ہیں۔ میری سوتیلی ساس کے دو بھائی میرے بچپن کے دوست ہیں۔ ڈاکٹر اقبال علی صاحب اور شیخ منظور علی صاحب یہ میرے ساتھ سکول میں پڑھتے رہے ہیں۔ دونوں ہی میرے دوست ہیں۔ لیکن اقبال میں اور مجھ میں بچپن سے ہی محبت چلی آتی ہے۔ اب اپنے کاموں کی وجہ سے ہم میں خط و کتابت نہیں ہے الا ماشاء اللہ سالوں کے بعد کبھی مگر احمدیت کے تعلق کے علاوہ بھی ذاتی دوستی کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر میں اپنے دل کو معیار قرار دوں۔ تو ہم دونوں کے دلوں میں اب بھی گہری برادرانہ محبت ہے۔ مگر اس دوستی کا موجب احمدیت ہی تھی۔ اور احمدیت ہی ہے۔ رشتہ داری اس کا موجب نہ پہلے تھی۔ اور نہ اب ہے۔ غرض اس تعلق کو رشتہ داری کا تعلق کہنا ایک لغو بات ہے۔ میری ان میں سے جس سے محبت ہے۔ دین کی وجہ سے ہے۔ اور اگر وہ تعلق نہ رہے۔ تو مجھے ان سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ وہ ایسے ہی اجنبی ہیں۔ جیسے کہ اور اجنبی۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے رشتہ داروں کے جرائم پر میں ان کی خاطر پردہ ڈالوں۔ چند سال کی بات ہے۔ میرے دو سالوں خلیفہ صلاح الدین اور خلیفہ ناصر الدین سے کوئی جرم ہوا تھا۔ کسی سلسلہ کے کارکن کی ہتک تھی یا مارپیٹ تھی۔ میں نے اس بارہ میں ان کی رشتہ داری کا ذرہ بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔ اور نہ اب کرنے کو تیار ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ملزم کے بارہ میں رشتہ داری کا سوال مخالف و موافق دونوں فریق نے ذاتی فوائد کے لئے ناجائز طور پر اٹھایا۔ ایک نے ملزم کے لئے رعائت کی تلاش میں اور دوسرے نے اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے۔ اس بارہ میں دونوں ظالم تھے۔ مگر دوسرے کا ظلم زیادہ تھا۔ کیونکہ پہلا مجرم کو سزا سے بچانے کے لئے اسکی آڑ لیتا تھا۔ اور دوسرا ایک ناکردہ گناہ کو اور اس ناکردہ گناہ کو جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہوئی تھی۔ مجرم ثابت کرنے کے لئے۔ اور حقیقت سے دونوں دور تھے۔ میں انصاف اور صرف انصاف کو قائم کر رہا تھا۔

مقدمہ کو کامیاب بنانے کی کوشش

میں بات سے دور نکل گیا۔ میں نے بتایا تھا۔ کہ میں نے انچارج صاحب تھانہ کو بلا کر یہ سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ میرا رشتہ دار کہکر اگر کوئی ملزم کی تائید ان سے کرانا چاہے۔ تو ہرگز اسکی بات نہ مانیں۔ اور دلیری سے مجرم کو سزا دلانے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد میرے پاس شکایت ہوئی۔ کہ اب تک پولیس کا رویہ درست نہیں۔ اور وہ رعایت کر رہی ہے۔ اس پر میں نے خانصاحب فرزند علی صاحب کو جو اس وقت ناظر امور عامہ تھے۔ بلا کر کہا۔ کہ وہ شیخ صاحب کو ساتھ لے جا کر سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملیں۔ اور اسی پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

زور ڈالیں۔ کہ کوئی صورت چوری نکلوانے کی کی جائے۔ خان صاحب شیخ صاحب کو ساتھ لیکر وہاں گئے۔ اور سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا۔ کہ ایک طرف تو یہ شکایت کی جاتی ہے۔ کہ احمدی جرائم کا خود فیصلہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے۔ کہ اس قدر دیر سے چوری کا پتہ لگ چکا ہے۔ مگر پولیس کچھ نہیں کرتی۔ اور پھر خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ شیخ صاحب کو بھی مل لیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ آج فرصت نہیں۔ پھر وہ منگل کے دن یا اس کے بعد آ کر ملیں۔ اور وعدہ کیا۔ کہ میں کسی اعلیٰ افسر کو تحقیق کے لئے مقرر کردوں گا۔ مجھے اس کا اتنا خیال تھا۔ کہ میں نے بعد میں خانصاحب سے دریافت بھی کیا۔ کہ کیا شیخ صاحب جاکر ملے یا نہیں۔ جب انہوں نے کہا۔ کہ نہیں۔ تو میں نے شیخ صاحب سے جو مجھے باہر جب میں سیر کو جا رہا تھا۔ مل گئے تھے۔ کہا۔ کہ آپ کیوں نہیں ملے۔ اور جب انہوں نے کہا۔ کہ اس نے منگل نہیں کہا تھا۔ بلکہ منگل یا بعد کا کوئی دن کہا تھا۔ تو پھر میں نے تاکید کی۔ کہ بہت جلد ملنا مفید ہوگا۔ پھر جب انہوں نے یہ کہا۔ کہ مجھے یہ خیال آتا ہے۔ کہ وہ لوگ بعض اخلاقی الزامات کو درمیان میں لانا چاہتے ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا۔ کہ مومن کو ان باتوں سے نہیں ڈرنا چاہیئے الزام لگانے کے معنے الزام کے ثابت ہو جانے کے نہیں ہوتے۔ آپ اسکی پروا نہ کریں۔ اور دلیری سے پیروی کریں۔ اگر وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ تو خود ہی ذلیل ہوں گے۔ آپ کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ گئے۔ اور پولیس کا ایک بڑا افسر تحقیقات کے لئے مقرر ہوگیا۔ غرض اس کیس میں جو کامیابی ہوئی۔ امور عامہ کے تعاون سے ہوئی۔ اور امور عامہ نے میرے کہنے پر عمل کیا۔ پھر دوران مقدمہ میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ جالندھر والے چوری کے سراغ کو مٹا رہے ہیں۔ اس پر پھر میں نے ان کو مشورہ دیا۔ کہ ہماری جماعت کے فلاں فلاں افسر اس ضلع میں اثر رکھتے ہیں۔ ان کو لکھا جائے۔ کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس جالندھر سے کہیں۔ کہ وہ خیال رکھیں۔ کہ ان کے ماتحت افسر دوسروں کا لحاظ کرکے مقدمہ کو خراب نہ کریں۔ مجھے اب اچھی طرح یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے۔ کہ بعض کے نام شاید میں نے بھی اس بارہ میں خط لکھوائے۔ مگر یہ یقینی ہے۔ کہ میں نے کہا۔ کہ انہیں میری طرف سے خط لکھے جائیں

مستورات کو بدنام کرنے کے خلاف کارروائی

اسی دوران میں مجھے مصری صاحب نے کہا۔ کہ چونکہ یہ لوگ بعض باتیں مستورات کو بدنام کرنے والی کہتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیئے۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ جو روایات اس وقت تک مجھ تک پہنچی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ خود الزام نہیں لگاتے۔ بلکہ ملزم کی طرف سے کہتے ہیں۔ کہ وہ یہ ڈیفنس پیش کرتا ہے۔ اس لئے ابھی اس امر کی تحقیق کا وقت نہیں۔ ورنہ یہ سمجھا جائیگا۔ کہ ہم ڈیفنس میں روک ڈالتے ہیں۔ میں نے مزید احتیاط کے طور پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سے مشورہ لیا۔ کہ آیا ملزم کی طرف سے ایسی باتیں ہوں۔ تو ہمارا مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے کوئی قدم اٹھانا پولیس کو یہ کہنے کا موقعہ تو نہیں دیگا۔ کہ پولیس کی تفتیش کو خراب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس وقت جو حکام کا رویہ ہے۔ اور عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں جماعت پر جس طرح اپنی عدالتیں جاری کرنے کا الزام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لحاظ سے میں یہی کہوں گا۔ کہ اس وقت کوئی قدم اٹھانا بہت مضر ہوگا۔ اس لئے احتیاط ہی کرنی چاہیئے۔

جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی شہادت

(اس موقعہ پر حضور نے شیخ صاحب موصوف کو کھڑا کرکے حلفی بیان لیا۔ اور انہوں نے حلفیہ شہادت دی۔ کہ یہ درست ہے۔ میں نے یہی جواب دیا تھا)

اس کے بعد مصری صاحب کا بڑا لڑکا جسکی ساس کے ہاں چوری ہوئی تھی۔ ایک روز میرے پاس آیا۔ اور دروازہ پر دستک دی۔ میں دروازہ پر اس سے ملنے کے لئے گیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی کا بھائی عبد الرحمن بہت بری بری باتیں کہتا ہے۔ مگر آپ کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے۔ اور ان کی رعایت کرتے ہیں۔ اس بات پر اگرچہ میرا حق تھا۔ کہ میں اسے سزا دیتا۔ کہ اس نے میرے منہ پر یہ کہا۔ کہ گویا میں انصاف نہیں کرتا۔ اور رعایت کرتا ہوں۔ مگر اس خیال سے کہ ان کے دل دکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس بات کو نظر انداز کردیا۔ اور صرف اسے یہ کہا۔ کہ مجھے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ عبد المنان ملزم یہ باتیں کہتا ہے۔ کہ فلاں طریق سے یہ مال نکالا گیا ہے۔ اور ملزم کو قانوناً حق ہے۔ کہ دوران مقدمہ میں جو بیان چاہے دے۔ اور اگر ہم اسے روکیں۔ تو حکومت کی طرف سے الزام آتا ہے۔ جس قدر نصیحت کا تعلق ہے۔ ہم اسے کر چکے ہیں۔ اور شیخ بشیر احمد صاحب کی رائے بھی یہی ہے۔ کہ ہمیں فی الحال کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس لئے کوئی کارروائی نہیں کی گئی اس نے جواب دیا۔ کہ ضروری نہیں۔ کہ شیخ بشیر احمد صاحب کی رائے درست ہو۔ میں نے کہا۔ کہ میں نے تو جو قانونی مشورہ ممکن تھا۔ کرلیا ہے۔ اور میں پھر بھی ان سے پوچھوں گا۔ مگر اس عرصہ میں تم اپنے والد سے پوچھ کر ملزم کے سوا جو دوسرے لوگ باتیں کرتے ہوں۔ ان کی رپورٹ اور گواہوں کے نام مجھے بھجوا دو۔ میں ان کے خلاف کارروائی کروں گا۔ اس وقت تک مجھے جو اطلاع ملی ہے۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ ملزم کے بعض رشتہ دار لوگوں سے یہ کہتے ہیں۔ کہ ملزم کا یہ بیان ہے۔ میرے پاس اب تک کوئی شکایت ایسی نہیں پہنچی۔ کہ وہ خود اپنی طرف سے کوئی الزام لگاتے ہوں۔ سو اگر تم کو یا تمہارے والد کو معلوم ہو۔ تو مجھے اطلاع دو۔ اور گواہوں کے ناموں سے بھی اطلاع دو۔ تاکہ اس پر کارروائی کی جائے۔ اس پر اس نے پھر کہا۔ کہ آپکے پاس ایسی رپورٹیں پہنچ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چکی ہیں۔ یہ پھر اس کا مجھ پر جھوٹ کا الزام تھا۔ لیکن چونکہ تکلیف میں انسان کے حواس درست نہیں رہتے اور ہمارے ملک میں بڑے آدمی بھی ایسے فقرے بے سوچے کہہ بیٹھتے ہیں۔ اور وہ تو بچہ تھا۔ میں نے صبر سے کام لیا۔ اور میں نے اسکو یہی جواب دیا۔ کہ نہیں۔ مجھ تک ایسی کوئی رپورٹ اب تک نہیں پہنچی تم اپنے والد سے اس بارہ میں مجھے لکھوا دو۔ تو میں تحقیق کروں گا۔ اسکو تو میں نے رخصت کیا۔ لیکن میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوا۔ کہ ان لوگوں کو سخت صدمہ ہے۔ اور اس صدمہ کی وجہ سے سچ اور جھوٹ اور انصاف اور ظلم میں انہیں کوئی تمیز نہیں رہی۔ ایسا نہ ہو۔ یہ بچہ ہے۔ یہ میرا پیغام اپنے والد کو نہ دے اور وہ بھی ابتلا میں پڑیں۔ چنانچہ جب دو تین دن تک میرے پاس مصری صاحب کا کوئی پیغام نہ آیا۔ تو میں نے دفتر میں آکر ہدایت کی۔ کہ شیخ صاحب کو خط لکھدیا جائے۔ کہ اگر کوئی ایسی بات ان تک پہنچی ہے۔ تو اطلاع دیں۔ تا کارروائی کی جائے۔ یہ خط دفتر کے رجسٹرات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چھ اپریل ۱۹۳۶ء کو ان کے پاس پہنچا۔ اور ان کی رسید دفتر میں موجود ہے۔ لیکن اس خط کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مولوی عبداللہ صاحب اعجاز کی حلفیہ شہادت

(اس موقعہ پر حضور نے مولوی عبداللہ صاحب اعجاز مولوی فاضل کارکن دفتر پرائیویٹ سکرٹری کو بلایا۔ کہ حلفیہ شہادت دیں۔ کہ کیا یہ درست ہے۔ یا نہیں۔ اس پر انہوں نے کھڑے ہو کر حلفاً بیان کیا۔ کہ حضور کے ارشاد پر یہ چٹھی لکھی گئی تھی۔ اور ہمارے رجسٹر میں مصری صاحب کے دستخط موجود ہیں)

اس کے چند دن بعد حافظ بشیر احمد۔ مصری صاحب کا بڑا لڑکا پھر مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ اور کہا۔ کہ آپ نے اب تک کوئی کارروائی نہیں کی۔ میں نے کہا۔ کہ میں نے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سے مشورہ لیا ہے۔ وہ عبدالمنان کے متعلق تو کہتے ہیں۔ کہ وہ چونکہ ملزم ہے۔ اس کے بارہ میں کوئی کارروائی اس وقت کرنا ٹھیک نہیں۔ اور دوسرے معاملہ کے متعلق میں نے تم کو کہا تھا۔ کہ مصری صاحب سے کہو۔ کہ جو الزام لگاتا ہے۔ اس کا نام اور گواہ کا نام لکھیں۔ تا تحقیق کی جائے۔ مگر تمہاری طرف سے اطلاع نہیں آئی۔ اس کے بعد میں نے خود تمہارے ابا کو لکھوایا۔ کہ وہ ایسی اطلاع دیں۔ تا کارروائی کی جائے۔ مگر ان کی طرف سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ امر اول کے متعلق اس نے کہا۔ کہ میرے ابا نے مرزا عبدالحق صاحب سے پوچھا تھا۔ یا کہا ملتانی صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب سے پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے کہا۔ کہ یہ غلط ہے۔ کارروائی ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا۔ کہ اس معاملہ میں شیخ بشیر احمد صاحب کو میں زیادہ تجربہ کار سمجھتا ہوں۔ مگر چونکہ ایک دوسرے وکیل کی رائے خلاف ہے۔ اور وہ بھی تجربہ کار ہے۔ میں دوبارہ اس بارہ میں مشورہ لوں گا۔ دوسرے امر کے متعلق اس نے یہ کہا۔ کہ میں نے اپنے ابا کو جا کر بات کہدی تھی۔ اور پھر آپ کا خط بھی مل گیا تھا۔ مگر میں نے اپنے ابا کو جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ کہ یہ ان کا اپنا کام ہے۔ کہ تحقیق کریں۔ ہمارا کام نہیں۔ اس لئے آپ جواب نہ دیں۔

پھر کہا۔ کہ یہ ایسی بات نہ تھی۔ کہ اسے معاف کیا جاتا۔ آپ کو خود اسکی تحقیق کرنی چاہیئے تھی۔ اور آپ ایسا کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ میں تم کو کہہ چکا ہوں۔ کہ میرے پاس ایسی کوئی رپورٹ اب تک نہیں آئی۔ اور جب تک مجھے اس شخص کا نام معلوم نہ ہو۔ جو ملزم ہے۔ الزام کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ اور گواہ نہ معلوم ہو۔ میں کیا کارروائی کر سکتا ہوں۔ اور اب تو یہ سوال ہے۔ کہ تم خود کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے۔ اور دیدہ دانستہ میرے خط کا جواب نہیں دے سکتے۔ پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔

نظام سلسلہ کی ہتک

اس کے بعد حافظ بشیر احمد چلا گیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد مولوی ظفر محمد صاحب مجھے ملے اور کہا۔ کہ مصری صاحب کو شکایت ہے۔ کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ میں نے انہیں سب قصہ سنایا۔ اور انہیں کہا۔ کہ مصری صاحب کو جا کر سنا دینا۔ اور کہدینا۔ کہ جب آپ میرے خط کا جواب تک نہیں دیتے۔ اور جب آپ الزام اور گواہ پیش نہیں کرتے۔ تو میں نہ تحقیق کر سکتا ہوں۔ اور نہ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ اپنا دعویٰ پیش کریں۔ تو تحقیق کر سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں مولوی ظفر محمد صاحب ملے۔ اور کہا۔ کہ مصری صاحب مانتے ہیں۔ کہ انہوں نے خط کا جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں کسی مطالبہ کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ خود چاہے تو تحقیق کرے۔

مولوی ظفر محمد صاحب کی حلفیہ شہادت

(اس موقع پر مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفی بیان لیا گیا۔ اور انہوں نے حلفیہ اس واقعہ کی تصدیق کی) میں نے کہا۔ کہ پہلے شیخ صاحب کے لڑکے کے ذریعہ پھر دفتر کی چٹھی کے ذریعہ سے میں ان سے کہہ چکا ہوں۔ کہ اگر ملزم کا نام بتائیں اور الزام بتائیں۔ تو میں تحقیق کر سکتا ہوں۔ لیکن انہوں نے نظام سلسلہ کی ہتک کی۔ اور جواب تک دینا پسند نہ کیا۔ اور کہا کہ ہم مقدمہ دائر نہ کریں گے۔ سلسلہ بطور خود تحقیق کرے۔ حالانکہ انہیں بتایا گیا تھا۔ کہ اس وقت تک ہمارے پاس کوئی ایسی رپورٹ نہیں پہنچی۔ جس پر جائز طور پر باز پرس کی جا سکے۔ اور ان سے امداد چاہی گئی تھی۔ کہ ایسی رپورٹ کی خبر دیں۔ تو کارروائی شروع کر دی جائے گی۔ پھر میں نے مولوی ظفر محمد صاحب سے کہا۔ کہ ایک رنگ میں تو آپ کے ذریعہ بھی ان کو موقعہ دے دیا گیا۔ مگر اس سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور سلسلہ کے پاس مقدمہ پیش کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ اس لئے اب میں کسی صورت میں سلسلہ کی طرف سے تحقیق نہیں کرونگا۔ بہر حال الزام انفرادی جرم کا ہے۔ کہ مدعی کا فرض ہے۔ کہ وہ خود الزام لگائے۔ اور اس کا ثبوت مہیا کرے۔

تحقیقات کیوں نہ کی گئی

غرض اس وقت میں نے اپنے ارادہ کو کہ ان کے متکبرانہ رویہ کی وجہ سے اس وقت تک ان کے بارہ میں سلسلہ ہاتھ نہ ڈالے گا۔ جب تک یہ خود مدعی نہ بنیں۔ اور بھی پختہ کر لیا۔ اور چونکہ اس سے پہلے میں نے ناظر امور عامہ کو ہدایت دے رکھی تھی۔ کہ مقدمہ کے ختم ہوتے ہی ملزم کے ان رشتہ داروں کے خلاف جنہوں نے اسکی ناواجب مدد کی ہو۔ کارروائی کی جائے۔ اس کے بعد میں نے ناظر امور عامہ سے کہدیا۔ کہ اب وہ میری ہدایت منسوخ سمجھی جائے۔ اور جب تک شکایت نہ ہو۔ کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

مولوی فرزند علی صاحب کی حلفیہ شہادت:۔

دخانصاحب مولوی فرزند علی صاحب نے حلفاً بیان کیا۔ کہ یہ درست ہے۔ پہلے حضور نے ایسا حکم دیا ہوا تھا۔ مگر بعد میں ممانعت فرمادی) لیکن اس کا ذمہ وار کون ہے۔ یقیناً یہ لوگ خود ذمہ وار ہیں۔ بیٹا تو مجھے کہتا ہے۔ کہ آپ رعایت کرتے ہیں۔ اور باپ ہے۔ کہ چٹھی کا جواب تک نہیں دیتا۔ بلکہ مجھے یہاں تک کہا گیا۔ کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ کہ شکایت نہیں کی گئی۔ بے شک سلسلہ ایسے معاملات میں دخل دیا کرتا ہے۔ مگر اس کے لئے جو نظام سلسلہ کا احترام کرتا ہو۔ اور اس وقت جب الزام کی نوعیت معلوم ہو۔ مگر یہاں تو دونوں باتیں نہ تھیں۔ بعض الزام تک معلوم نہ تھے۔ اور پھر سلسلہ کی کھلی کھلی ہتک کی جا رہی تھی۔ میں جانتا ہوں۔ کہ اگر میں اس وقت رحم کر کے سلسلہ کو بطور خود کارروائی کا حکم دے دیتا۔ تو ان لوگوں نے ان گستاخیوں کے بعد یہ کہنا تھا۔ کہ دیکھا ہم نے انہیں کس طرح دبا لیا۔

ایک اور واقعہ:۔ اسی ضمن میں اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب جن کے گھر چوری ہوئی تھی۔ ان کی ہمشیرہ نے میرے گھر کے لوگوں کو ایک واقعہ یاد دلایا ہے۔ وہ کہتی ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ اپنی ہمشیرہ سے ملنے گئی۔ تو انہوں نے شکایت کی۔ کہ چوری ہمارے گھر ہوئی۔ اور ہمدردی چوروں کی کی جاتی ہے۔ (اس سے بھی ان لوگوں کے پراپیگنڈا کا علم ہوتا ہے) وہ کہتی ہیں۔ کہ اتفاقاً میں آپ کے گھر اس سے پہلے آئی تھی۔ اور میں نے سنا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی کی والدہ حضرت صاحب سے شکایت کر رہی تھیں۔ کہ عبدالمنان پر اس طرح سختی ہو رہی ہے۔ تو حضرت صاحب نے بڑے جوش سے ان کو جواب دیا۔ کہ کیا آپ چاہتی ہیں۔ کہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کی مدد کروں۔ میں چوروں اور ڈاکوؤں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تو جب میری ہمشیرہ نے ایسا کہا۔ تو میں نے اس سے کہا۔ کہ بہن یہ الزام غلط ہے۔ اتفاق کی بات ہے۔ کہ میں اس واقعہ کے موقعہ پر ان کے گھر جا پہنچی اور میں نے اپنے کانوں سے یہ باتیں سنیں۔ وہ تمہاری اس طرح ہمدردی کریں۔ اور تم اس طرح شکوہ کرو۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب کی سگی اور بڑی ہمشیرہ کی یہ روایت ہے۔ جو چودھری حاکم علی صاحب سفید پوش کی اہلیہ ہیں۔ انہی کا یہ بیان بھی ہے۔ کہ چوری کے سلسلہ میں کوئی بات ان کے خاوند چودھری حاکم علی صاحب کو معلوم ہوئی۔ تو وہ اپنی سالی کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ مجھے ڈاکٹر احسان علی اس اس طرح کہتا ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا۔ تو اچھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس بارہ میں مجھے تو کوئی علم نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد مصری صاحب ان سے ملے اور ناراض ہوئے۔ آپ اپنی سالی کے پاس گئے کیوں تھے۔ آپ نے ہم سے بات کرنی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ میری رشتہ داری انہی سے تھی۔ اس لئے میں ان کے پاس گیا۔ اگر اس روایت میں کوئی غلط فہمی نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب کا کس قدر احاطہ کیا ہوا تھا۔ اور کس طرح ان کے رشتہ داروں تک کو انہیں باخبر رکھنے سے روکتے تھے۔ غالباً اس وقت بھی ان کے مدنظر یہ سکیم تھی۔ کہ اس خاندان کو بدظن کر کے اپنی سکیم میں شامل کریں۔ جو اب آکر ظاہر ہوئی ہے۔ ان لوگوں کی نظریں صرف دنیا پر پڑ رہی تھیں۔ اور یہ نہیں جانتے تھے۔ کہ خدا تعالٰے کے کام روپیہ سے نہیں بلکہ اخلاص سے ہوتے ہیں۔ جن کا ان میں فقدان تھا۔ اور ہے۔ (یہ نوٹ بعد میں زیادہ کیا گیا ہے)

ڈاکٹر احسان علی کے ہاں سے دوائیاں منگانیکی ممانعت

یہ تو وہ کارروائی تھی۔ جو سلسلہ کا امیر ہونے کے لحاظ سے اس بارہ میں میں نے کی۔ مگر ذاتی طور پر جو کچھ میں نے کیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی اپنے بھائی کی جو چوری کا مرتکب ہے۔ مدد کرتے ہیں۔ تو میں نے اپنی چاروں بیویوں سے کہا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی ایک ملزم کی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے آئندہ ان کے ہاں سے کوئی دوائی نہ آئے۔ سوائے اس کے کہ ضروری ہو۔ اور کسی دوکاندار کے ہاں سے نہ مل سکتی ہو۔ اور اگر تم میں سے کسی نے اس کے خلاف کیا۔ تو اس دوائی کی قیمت میں ادا نہیں کروں گا۔

چنانچہ ہمارے گھر میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ اور میرے ذاتی رجسٹر کے ریکارڈ بتا سکتے ہیں۔ کہ ادویہ جو ہمارے گھر آئیں۔ یا بھائی محمود احمد صاحب کے ہاں سے آئیں۔ یا پھر لاہور سے براہ راست منگوائی گئیں۔ سوائے اس کے کہ دوا اور دوکانداروں کے پاس سے میسر نہ آئی۔ اور اسکی فوری اور اشد ضرورت تھی۔ اور میں اس ہدایت کے بعد تحقیق بھی کرتا رہا۔ کہ اس پر عمل ہوتا رہا۔ اور بعض دفعہ میں نے اپنی بیویوں کے پاس وہ رقعے دیکھے۔ جن میں دوسرے دوکانداروں نے لکھا ہے۔ کہ یہ دوا ہمارے پاس نہیں ہے۔ تب وہ ڈاکٹر احسان علی کے ہاں سے خریدی گئی۔ گویا ان لوگوں کی تائید میں میں نے خود مالی نقصان بھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اٹھایا۔ کیونکہ لاہور سے ادویہ کا منگوانا مہنگا پڑتا ہے اور خرچ زیادہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ لوگ الزام لگاتے ہیں۔ کہ میں نے دوسرے فریق کی رعایت کی۔ یہ بدظنی کی انتہا ہے۔ اور ایسی بدظنی اور ایمان کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہ اس قدر بدظنی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ہم شدید ظلم دیکھتے ہوئے بھی ایمان پر قائم رہے۔ آپ لوگ ان ظلموں کو بھی دیکھ لیں۔ جو میں نے ان پر کئے۔ اور ان کے ایمانوں کا بھی اندازہ لگائیں۔ جو ان کے دل میں تھا۔ اگر یہ ایمان تھا۔ تو نہ معلوم بے ایمانی کس کو کہتے ہیں۔

مرزا عبد الحق صاحب کی رائے

اب میں پھر حافظ بشیر احمدؐ کی ملاقات کی طرف آتا ہوں۔ میں نے ذکر کیا تھا۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ میرے والد یا کہا کہ میاں فخر الدین صاحب نے مرزا عبد الحق صاحب سے پوچھا تھا۔ اور انہوں نے کہا ہے۔ کہ دوران تفتیش میں ہی ڈاکٹر احسان علی وغیرہ کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔ میں نے اس پر شیخ بشیر احمدؐ صاحب کو دوبارہ کہا۔ کہ آپ مرزا صاحب سے بات کر کے مجھے اطلاع دیں۔ کہ ان کی یہ رائے کس بنا پر ہے۔ شیخ صاحب نے ان سے گفتگو کر کے مجھے یہ جواب دیا۔ کہ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ مجھ سے ایسا ذکر تک نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی ذکر ہوا ہو گا۔ تو میں نے ایسا مشورہ نہیں دیا ہو گا۔ کیونکہ میرے نزدیک بھی موجودہ حالات میں ایسا کرنا خلافِ مصلحت ہو گا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا۔ کہ آپ مرزا صاحب سے تحریری رپورٹ لے کر مجھے دے دیں۔ ورنہ ان لوگوں کی تسلی نہ ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل تحریر مجھے بھجوائی:۔

"برادرم محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط ملا۔ یہ درست ہے۔ کہ آپ نے عبد المنان کے مقدمہ کے دوران میں یہ ذکر کیا تھا۔ کہ فخر الدین صاحب ملتانی نے میری طرف یہ منسوب کیا ہے۔ کہ میں نے یہ رائے دی ہے۔ کہ اگر جماعت عبد المنان برادر شیخ احسان علی صاحب کے خلاف مقدمہ کے دوران میں شیخ احسان علی صاحب کے خلاف اس بنا پر کارروائی کرے۔ کہ وہ اپنے بھائی کو مجرم جانتے ہوئے اسکی صفائی کیلئے کوشش کر رہے ہیں۔ تو جماعت کا ایسا فعل قانوناً جائز ہو گا۔ اور ایسا کرنا مناسب ہو گا۔ اور آپ نے مجھ سے یہ دریافت کیا تھا۔ کہ کیا واقعی میں نے کوئی ایسی رائے دی ہے۔ اس کے جواب میں میں نے یہ عرض کیا تھا۔ کہ میں نے کوئی ایسی رائے فخر الدین صاحب یا کسی اور صاحب کو نہیں دی۔ اور نہ ہی یہ میری رائے ہے۔ بلکہ میرا آپ کی رائے کے ساتھ اتفاق تھا۔ کہ دورانِ تجویز مقدمہ جماعت کو شیخ احسان علی صاحب کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کارروائی مقدمہ پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ جو مناسب نہیں۔

خاکسار عبد الحق ۱۲/۶/۳۷"

اس تحریر سے ظاہر ہے۔ کہ مرزا عبد الحق صاحب کی رائے بھی وہی تھی۔ جو شیخ بشیر احمدؐ صاحب کی۔ اور میں نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا۔ وہ سلسلہ کے بہترین وکلاء کے مشورہ کے ماتحت کیا۔ اور سلسلہ کے فائدہ کے لئے کیا۔ نہ کہ کسی ذاتی لگاؤ کی وجہ سے۔ مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے۔ کہ یہ اپنے ذاتی غصہ پر جماعت کے فوائد کو قربان کرنا چاہتے تھے۔ اور جماعت کو حکومت کی نگاہ میں زیر الزام لا کر فتنہ میں ڈلوانا چاہتے تھے۔ اور پھر یہ دیدہ دلیری کہ مرزا عبد الحق صاحب کی قانونی حیثیت غلط طور پر استعمال کر رہے تھے۔ اور ان کی طرف وہ بات منسوب کر رہے تھے۔ جو انہوں نے نہ کہی تھی۔ غرض واقعات یہ ہیں۔ کہ میں ہر قدم پر دوسرے فریق کو سرزنش کرتا چلا گیا ہوں۔ اور ان کی تائید کرتا چلا گیا ہوں۔ مگر یہ لوگ کسی اندرونی بغض سے متاثر ہو کر جس کا اظہار اب آ کر ہوا ہے۔ یا دانستہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ پراپیگنڈا کرتے رہے ہیں۔ کہ ڈاکٹر احسان علی کی رعایت کی جا رہی ہے۔ اور یہ لوگ مظلوم ہیں۔

پھر فخر الدین صاحب نے اپنے بیان میں لکھا ہے۔ کہ "احسان علی نے ایک تحریر امور عامہ میں لکھ کر دی تھی۔ کہ حضرت میاں شریف احمدؐ صاحب نے احسان علی کو مشورہ دیا۔ کہ تم فی الفور جا کر راجہ عمر دراز سب انسپکٹر بٹالہ کو قابو کر لو۔ دروغ برگردن راوی۔

چند حلفیہ شہادتیں:۔ اس کے متعلق حضور نے حضرت میاں صاحب سے حلفی بیان طلب فرمایا۔ اور انہوں نے کھڑے ہو کر حلفاً اس بات سے انکار کیا۔ پھر حضور نے ناظر صاحب امور عامہ سے حلفی بیان لیا۔ اور انہوں نے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ احسان علی صاحب نے امور عامہ میں کوئی ایسی تحریر نہیں دی۔ اس کے بعد کلرک نظارت امور عامہ سے حلفی بیان لیا گیا۔ اور انہوں نے بھی حلفی بیان دیا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی کی ایسی تحریر میری نظر سے ہرگز نہیں گذری۔ اب آپ لوگ دیکھیں۔ کہ میرے بعد یہ شخص میاں شریف احمدؐ صاحب پر نہایت ناپاک الزام لگاتا ہے۔ کہ انہوں نے مجرم کی امداد کے لئے ناجائز طور پر پولیس کو قابو کرنے کا مشورہ دیا۔ اور ایسا صریح جھوٹ بولتا ہے۔ کہ احسان علی نے امور عامہ کو ایسی تحریر لکھ کر دی۔ مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ حالانکہ میاں شریف احمدؐ حلفیہ اس مشورہ سے انکار کرتے ہیں۔ ناظر امور عامہ اور ان کا کلرک اس تحریر کے موصول ہونے اور اس کے دیکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس سب جھوٹ کے باوجود یہ لوگ مظلوم ہیں۔ اور ہمارا خاندان ظالم۔ اور ابھی اس کے اخلاص اور ایمان میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ گویا یہ ایمان ان کا مولوی ثناء اللہ صاحب والی تعریف تقویٰ کے نیچے آتا ہے۔ کہ کچھ کرو تقویٰ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔

ایک اور غلط بیانی

ایک اور غلط بیانی اس شخص نے یہ کی ہے۔ کہ لکھا ہے۔ "دوسرے روز احسان علی وغیرہ سارے جتن کر کے عبد المنان کو پولیس میں دینے پر مجبور ہوئے۔" حالانکہ پولیس میں اسے میں نے بھجوایا تھا۔ یہ لوگ اسے پکڑنے پر ہی قادر نہ تھے۔ پولیس میں دینا تو الگ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بات ہے۔ کیونکہ اس کے پکڑے جانے اور خود بیان دینے تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا۔ پھر ایک اور بات یہ لکھی ہے۔ کہ "احسان علی جیسے رسوائے عالم کے خلاف ڈاکٹر اسماعیل کے کسی کمیشن میں بطور ڈیفنس چند ایک واقعات پر مبنی الزامات کے لکھ دینے پر سینکڑوں روپیہ نظارت کی طرف سے اس لئے خرچ کر دیا گیا۔ کہ احسان علی کی بریت ثابت ہو۔" حالانکہ یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر اسماعیل نے جو پہلے جماعت سے خارج تھے۔ مگر اب انہیں معافی حاصل ہو چکی ہے۔ ان کے متعلق معلوم ہوا۔ کہ وہ حکام کے پاس جا کر سلسلہ کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کرتے ہیں۔ چونکہ ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ کہ ہر شخص جا کر پولیس والوں کے پاس بیٹھے۔ کیونکہ اس طرح انہیں اس کے رسوخ سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے جماعت کو روکا ہوا ہے۔ کہ صرف ضرورتاً جاؤ۔ بغیر ضرورت کے نہ جاؤ۔ امور عامہ نے ڈاکٹر اسماعیل سے جواب طلب کیا۔ اور انہوں نے الزامات کا انکار کرتے ہوئے بعض اطلاع کنندوں پر الٹے الزام لگائے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر احسان علی بھی تھے۔ چونکہ ہمیں یقینی ثبوت مل گیا تھا۔ کہ ڈاکٹر اسماعیل سلسلہ کے خلاف غلط سلط رپورٹیں کرتے ہیں۔ اور بعد میں انہوں نے تحریراً اس امر کا اقرار بھی کر لیا۔ اس لئے سلسلہ کو نقصان سے بچانے کے لئے محکمہ نے فیصلہ کیا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی صاحب کو ان پر ہتک عزت کا مقدمہ کرنے کی اجازت دے۔ اور امداد کا وعدہ کرے۔ اور چونکہ یہ سلسلہ کی عزت کا سوال تھا۔ نہ کہ احسان علی صاحب کی عزت کا سوال۔ میرے علم میں یہ بات ہے کہ ان کی امداد کی گئی۔ بلکہ اگر ڈاکٹر اسماعیل بعد میں اقرار نہ کر لیتے۔ اور معافی نہ مانگ لیتے۔ تو غالباً بعض دوسرے احمدی بھی ان پر اس ہتک کے بدلہ میں مقدمہ کرتے۔ جو ان دوسرے احمدیوں کی انہوں نے اپنے بیان میں کی تھی۔ پس اگر اس کے خلاف مقدمہ دائر کرانا ناجائز ہے۔ تو یقیناً وہ مقدمہ بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکیم فضل دین صاحب مرحوم اور شیخ یعقوب علی صاحب سے مراوی کرم دین بھیں والے کے خلاف کرایا تھا۔ اس وقت تو جب ان دو میں سے ایک نے مقدمہ کرنے میں کچھ تردد کا اظہار کیا تھا۔ تو حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ ان دونوں مقدمات میں سلسلہ کی طرف سے وکلاء پیش ہوتے رہے تھے۔ کیونکہ مقدمات شخصی تھے۔ مگر ضرورت قومی تھی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوہ ہمارے لئے شمع راہ ہے۔

مالی اور سفارشی امداد

ایک بات میاں فخر الدین صاحب نے یہ لکھی ہے۔ کہ:۔ "ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ کہ ان (ڈاکٹر احسان علی) کی مالی اور سفارشی امداد بھی حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ذریعہ ہوئی۔ یعنی اخراجات مقدمہ کے لئے روپیہ قرض دیا گیا۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی حلفیہ شہادت:۔

(حضور کے دریافت فرمانے پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے حلفاً بیان کیا۔ کہ میں نے مقدمہ کے لئے احسان علی کو کوئی روپیہ نہیں دیا۔ بعض لوگ مجھ سے قرض لے لیا کرتے ہیں۔ مصری صاحب بھی لیتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر فضل دین صاحب اور ان کی اہلیہ نے بھی لیا ہے۔ اور احسان علی صاحب نے بھی قرض لیا تھا۔ لیکن مقدمہ کے لئے میں نے کوئی روپیہ کسی کو نہیں دیا) اب اس جواب کو بھی دیکھ لو۔ اور ان کی عبارت پر بھی غور کرو۔ یہ صاحب نہ صرف میاں بشیر احمد صاحب پر ایک جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ بلکہ اس کے بین السطور میں یہ الزام بھی مجھ پر ہے۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ مالی اور سفارشی امداد بھی میاں بشیر احمد صاحب کے ذریعہ ہوئی۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ میاں بشیر احمد صاحب کو میں نے ذریعہ بنایا تھا۔ اصل میں یہ کام بھی میں نے کیا تھا۔ گویا وہ نہ صرف مجرم کے امدادی تھے۔ بلکہ اس فریب میں میرے آلۂ کار تھے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ پھر ایک اور بات یہ لکھی ہے۔ کہ "عبد المنان کی ضمانت کے لئے حضرت میاں صاحب نے ہی دفتر سکول میں چٹھی بھیج کر سید منظور علی شاہ کو رخصت دی۔ اور گورداسپور بھیجا۔"

مولوی محمد دین صاحب کا حلفیہ بیان:۔

(اس کے متعلق ہیڈ ماسٹر مولوی محمد دین صاحب کا حلفی بیان ہوا۔ کہ حضرت میاں صاحب کا رقعہ مجھے ملا تھا۔ جس میں صرف یہ تھا۔ کہ سید منظور علی شاہ صاحب کو رخصت دی جائے۔ مگر اس میں ضمانت وغیرہ کا ذکر نہ تھا۔

سید منظور علی شاہ صاحب کا حلفیہ بیان:۔

(اس کے بعد سید منظور علی شاہ صاحب کا حلفی بیان لیا گیا۔ اور انہوں نے یہ حلفی بیان دیا۔ کہ مجھے ڈاکٹر احسان علی کے والد صاحب نے کہا تھا۔ کہ لڑکے کی ضمانت دے دو۔ میں نے کہا۔ کہ چھٹی کے سلسلہ میں پہلے ہی مجھ پر ایک محکمانہ مقدمہ چل رہا ہے۔ اور مجھے چھٹی نہیں مل سکتی۔ اگر آپ رخصت کا انتظام کر دیں۔ تو میں ضمانت کے لئے جا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت میاں صاحب کے پاس جا کر چھٹی لے آئے۔ اس پر میں میاں صاحب کے پاس گیا۔ اور کہا۔ کہ یہ چھٹی انہوں نے ضمانت کے لئے مجھے دلوائی ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے۔ کہ ضمانت دے دوں۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ کہ انہوں نے مجھے یہ تو بتایا نہیں۔ یہ امور عامہ کا کام ہے۔ آپ ناظر صاحب امور عامہ سے دریافت کر لیں۔ اگر وہ اجازت دیں۔ تو ضمانت دے آئیں۔ اس پر میں نے ناظر صاحب امور عامہ سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ ضمانت دینے میں کوئی حرج نہیں) ان بیانات سے ثابت ہے۔ کہ میاں صاحب نے جب چھٹی دی۔ ان کو یہ علم تک نہ تھا۔ کہ ضمانت کے لئے یہ چھٹی مانگی جا رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان پر یہ الزام سراسر باطل ہے۔ اور اسی بدظنی پر دلالت کرتا ہے۔ جو ان لوگوں کے دلوں میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں گھن کی طرح ان کے ایمان کو کھا رہی تھی۔

نوّے روپے کا معاملہ

پھر یہ لکھا ہے۔ کہ "عبد المنان کے چوری کرنے کے بعد قادیان سے روپوش ہونے پر احسان علی نے نوّے روپیہ مسروقہ مال کے اس سے لیکر حضرت میاں صاحب کے پاس رکھے۔ یہ کہہ کر رکھے۔ کہ یہ مسروقہ مال ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے چوری شدہ مال میں ۹۰/-/- روپے بھی تھے۔ اس سے قبل میں خود حضرت میاں صاحب کو اس واردات کی سراغ رسانی کے لئے مفصل عرض کر چکا تھا۔ چاہیئے تھا۔ کہ حضرت میاں صاحب مجھے یا مصری صاحب سے کم سے کم ذکر ہی فرما دیتے کیونکہ تفتیش میں یہ بہت بڑا معاون بنتا۔ مگر آخر دم تک جبکہ احسان علی نے ضرورتاً اپنے ڈیفنس کی خاطر اس کا بیان کرنا ضروری سمجھا۔ بالکل مخفی رکھا۔ اور اشارتاً بھی ذکر نہ کیا"۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا حلفیہ بیان

(اس کے متعلق حضور نے حضرت میاں صاحب کو بلایا کہ اس واقعہ کے متعلق حلفی بیان دیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ کہ ڈاکٹر احسان علی نے مجھے جو نوّے روپے دیئے تھے۔ وہ ایک پچاس روپیہ اور چار دس دس روپیہ کے نوٹوں کی صورت میں تھے۔ جب یہ رقم ڈاکٹر احسان علی صاحب میرے پاس لائے۔ مجھے علم تھا۔ کہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کی چوری میں نوّے روپے کے قریب رقم ہے۔ چنانچہ میں خود ڈاکٹر صاحب کے مکان پر گیا۔ اور ان سے نوّے روپیہ کی تفصیل دریافت کی انہوں نے کہا۔ کہ چوری شدہ رقم نوے روپیہ سے کچھ کم تھی۔ اور کہ وہ دس دس اور پانچ پانچ کے نوٹ تھے۔ اس اختلاف کی بناء پر میں نے خیال کیا۔ کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی چوری کا روپیہ نہیں) میاں صاحب کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا۔ کہ ان کو چاہیئے تھا۔ یہ روپیہ اپنے پاس نہ رکھتے۔ بلکہ ناظر صاحب امور عامہ کے پاس جمع کرا دیتے۔ میری طرف سے ایسے امور کے لئے وہ نہیں بلکہ ناظر صاحب امور عامہ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب نے بھی جب اپنی بریت میں میاں صاحب کے پاس روپیہ کا رکھدینا بیان کیا تھا۔ تو میں نے ان سے یہی کہا تھا۔ کہ میں اس دلیل کو نہیں مانتا۔ ہاں اگر ناظر صاحب امور عامہ کے پاس یہ رقم رکھی جاتی۔ تو البتہ ایک دلیل تھی۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب کا یہ طریق شبہ ڈالنے والا ہے۔ اور میاں صاحب نے بھی غلطی اور غلط اجتہاد سے کام لیا۔ اور اس طرح دوسرے فریق کو بدظنی کرنے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ نظام میں ان کی حیثیت جب ان کو یہ روپیہ رکھنے کے لئے مجاز قرار نہ دیتی تھی۔ تو ان کو نہیں رکھنا چاہیئے تھا۔ اور ناظر صاحب امور عامہ کے پاس ہی جو میری طرف سے مقرر تھے۔ بھیج دینا چاہیئے تھا۔ محض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہونے سے ان کو نظام میں کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں اگر ان پر بدظنی کی گئی ہے۔ تو گو وہ غلط ہو۔ مگر اسکی ذمہ واری ایک حد تک ان پر بھی ہے۔ یہ بات میں نے اس لئے وضاحت سے کہدی ہے۔ تاکہ آئندہ وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس بات کا خاص خیال رکھیں۔

پٹرول کا ٹھیکہ

پھر ایک اور شکایت یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر احسان علی کو الیکشن کے ایام میں پٹرول کا ٹھیکہ سستے داموں دے دیا گیا۔ بعض احمدی مثلاً میاں محمد اسحاق سیال کوٹی سستے داموں پر ٹھیکہ لیتے تھے۔ انہیں نہیں دیا گیا۔ اسی طرح بٹالہ سے سستے داموں پٹرول ملتا تھا۔ وہاں سے نہیں لیا گیا۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں۔ کہ پٹرول کے سودا کرنے کے ذمہ وار نظارت کی طرف سے بظاہر حالات نیّر صاحب تھے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ در اصل میں نے ٹھیکہ دیا تھا۔ اور نیّر صاحب کو بطور آڑ اور پردہ کے استعمال کیا تھا۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ الیکشن کے کاغذات محفوظ نہیں رہے۔ ورنہ ان سے ثابت کیا جا سکتا تھا۔ کہ میں نے زور سے ڈاکٹر احسان علی صاحب کے ٹھیکہ میں روک ڈالی تھی۔ مگر اب چونکہ صرف یادداشتوں پر بنا ہے۔ میں نیر صاحب کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو ذیل میں درج ہے:۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

میں اللّٰہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر بیان کرتا ہوں کہ

(۱) ڈاکٹر احسان علی صاحب کو پٹرول کا ٹھیکہ دینے میں حضرت امیر المؤمنین کی طرف سے قطعاً اشارتاً یا کنایتاً کوئی ہدایت نہ تھی۔

۲۔ بلکہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے غالباً حضرت کے ایماء سے احسان علی صاحب کو ٹھیکہ دینے سے روکا تھا۔ اور میرے اصرار پر میری ذمہ واری پر اجازت دی تھی۔

۳۔ چونکہ احسان علی قادیان کا لائسنس دار صاحب جائیداد احمدی تھا۔ وقت کم تھا۔ پٹرول کے انتظام کے فیل ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے کلیۃً اپنی ذمہ واری پر ٹھیکہ کا معاہدہ کیا تھا۔

۴۔ قادیان میں پٹرول کا نرخ عہ ۱۲/ فی گیلن تھا۔ مگر معاہدہ میں عہ ۱۲/ پر طے کیا گیا۔ اور بٹالہ میں کمپنیوں کے مساوی نرخ پر پٹرول لینا طے کیا گیا۔

۵۔ دوسرے انتظام کی کوشش کی گئی۔ مگر کمپنی نے پانچ سو روپیہ پیشگی اور ہر سو روپیہ کے بعد ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ اور وقت پر دھوکہ دینے کا خطرہ تھا۔ اس لئے قادیان کے احمدی لائسنس دار کو منتخب کیا گیا۔

۶۔ کسی احمدی نے ٹھیکہ لینے پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

۷۔ احسان علی اور ان کے والد نے بھی انکار کر دیا تھا۔ میں نے اس شرط پر کہ انشاء اللّٰہ آپ کو نقصان نہ ہونے دوں گا۔ میں ذمہ وار ہوں۔ اور سو روپیہ بطور قرض پیشگی دیکر ان کو رضامند کیا تھا۔ غرض تمام ٹھیکہ پٹرول کی ذمہ واری کلیۃً میری ہے۔ جس میں انجمن کے مفاد مد نظر تھے۔ حضرت کا اس معاملہ میں قطعاً کوئی اشارہ اور ہرگز کسی قسم کی ہدایت نہ تھی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ احسان علی سے معاملہ کیا جائے۔ واللہ علیٰ ما اقول شہید۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ عبدالرحیم نیر ۲۹/۶/۳۷

گو میری تحریرات اگر محفوظ رہتیں۔ تو اس سے زیادہ واضح تھیں۔ مگر یہ بیان بھی بہت کافی ہے۔ نیر صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس معاملہ میں ان کو آڑ نہیں بنایا گیا۔ بلکہ سب ذمہ واری ان کی تھی۔ بلکہ میاں بشیر احمد صاحب کی معرفت اس بارہ میں انہیں ایک حد تک روکا بھی گیا۔ لیکن چونکہ اور کوئی انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے باوجود ڈاکٹر احسان علی کے انکار کے انہیں اس کام پر مجبور کر کے لگایا۔ اور یہ کہ اس وقت کی قیمتوں کے لحاظ سے جو ریٹ طے کیا گیا تھا۔ وہ درست تھا۔ اب کجا نیر صاحب کا یہ حلفیہ بیان اور کجا اس شخص کا یہ الزام کہ ٹھیکہ میں نے احسان علی کے فائدہ کے لئے دلایا۔ نیر صاحب کو صرف آڑ بنایا گیا۔ بٹالہ کی ایک کمپنی سستا پٹرول دیتی تھی۔ مگر اس سے نہ لیا گیا۔ اور احمدی ٹھیکہ دار ملتے تھے۔ ان کو بھی رد کیا گیا۔ جو شخص اس قدر افترا اس شخص پر کرے۔ جبکی اس نے بیعت کی ہوئی ہے۔ کون بتا سکتا ہے۔ کہ اس کے دل میں کسقدر بغض اور کینہ بھرا ہوا ہو گا۔ ایک الزام میاں فخر الدین صاحب نے یہ لگایا ہے۔ کہ ایک دفعہ محمد اسحاق صاحب سیالکوٹی سپرٹ بغیر لائسنس لے آئے۔ اور احسان علی نے ان کی شکایت کر کے انہیں پکڑوا دیا۔ تو احسان علی صاحب پر پانچ روپیہ جرمانہ ہوا۔ لیکن احسان علی نے کہا۔ کہ حضرت صاحب کو اس کا علم نہ ہوا ہو گا۔ کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ ورنہ وہ ایسا نہ کرتے۔ چنانچہ وہ جرمانہ وصول نہ ہوا۔ یہ الزام سراسر بہتان اور جھوٹا ہے۔ مجھے شروع سے یہ علم دیا گیا تھا۔ کہ احسان علی صاحب نے رپورٹ کی ہے۔ حق احسان علی صاحب کی طرف تھا۔ کیونکہ ان کے پاس سپرٹ کا لائسنس تھا۔ لیکن محمد اسحاق صاحب کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں۔ بلکہ ہائی سکول سائنس کے تجربات کے استعمال کے لئے غلطی سے سپرٹ لائے تھے۔ میں نے اس پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ کہ ایسے معاملہ میں حق کا استعمال بھی غلطی ہے۔ باہمی سمجھوتہ کرنا چاہیئے تھا۔ اور محکمہ نے احسان علی صاحب پر ۵ روپیہ جرمانہ کیا۔ جو ناظر صاحب امور عامہ کی رپورٹ کے مطابق اسی وقت وصول ہو گیا تھا۔ یہ جرمانہ اس جرمانہ کی ادائیگی کے لئے تھا۔ جو میاں محمد اسحاق صاحب کو سرکاری عدالت سے ہوا تھا۔ اور اس وجہ سے انہی کو دیئے جانے کا فیصلہ ہوا تھا۔ میاں محمد اسحاق صاحب سے بھی میں نے گواہی لی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اس معاملہ کے متعلق مرکز سلسلہ عالیہ احمدیہ میں تحقیقات ہو کر احسان علی پر اسی قدر جرمانہ کیا گیا تھا۔ جتنا میں نے عدالت سرکاری میں دیا تھا۔ چنانچہ اس جرمانہ کی فوری ادائیگی ہوئی۔ اور میں نے یہ روپے وصول پا لئے تھے۔

محمد اسحاق مالک سیالکوٹ ہاؤس قادیان"

اب آپ لوگ ان شہادتوں کو دیکھیں۔ اور فخر الدین کے اس اعتراض کو دیکھیں۔ کہ جب خلیفہ کو معلوم ہوا۔ کہ احسان علی رپورٹ کرنے والا ہے۔ تو جرمانہ کو وصول ہی نہیں کیا گیا۔ کیا یہ سلسلہ اتہامات اس گندی ذہنیت کو واضح نہیں کرتا۔ جو میاں فخر الدین صاحب کے دل میں خلیفہ کے خلاف پیدا ہو چکی تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنی بات کافی ہے۔ کہ ہر سنی ہوئی بات آگے بیان کر دے۔

ایک شکایت انہوں نے یہ کی ہے۔ کہ "چند روز کا واقعہ ہے۔ مولوی ظفر محمد صاحب مجھے بھائی قادیانی صاحب کے مکان کے قریب ملے۔ اور السلام علیکم کر کے کہا۔ کہ "اب میں امور عامہ میں آ گیا ہوں۔ اور پھر ہنس دیئے"۔ اس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں۔ کہ گویا انہیں دھمکی دی گئی۔

مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفیہ بیان

اس کے متعلق حضور نے مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفی بیان لیا۔ تو مولوی صاحب نے کہا۔ کہ مجھ سے فخر الدین صاحب نے خود دریافت کیا تھا۔ کہ تبلیغ سے واپس آ کر کہاں لگے ہو۔ تو میں نے کہا۔ کہ امور عامہ میں۔ تو کہا۔ کہ خدا خیر کرے۔

سید ولی اللہ شاہ صاحب کی حلفیہ تصدیق

جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ نے بھی اس امر کی تصدیق حلفیہ کی۔ اور بتایا۔ کہ مجھے فخر الدین صاحب نے خود یہ واقعہ سنایا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ آج مجھے مولوی ظفر محمد صاحب ملے تھے۔ اور میں نے کہا تھا۔ خدا خیر کرے۔ اور یہ کہ میں نے ظفر محمد کو چڑانے کے لئے ایسا کہا تھا۔ ان دونوں شہادتوں سے آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کس طرح میاں فخر الدین صاحب اپنی برأت کے لئے باتوں کو الٹ پھیر کر بیان کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے سید محمد سعید صاحب سلیم کا بیان پڑھ کر سنایا۔ کہ چند روز ہوئے۔ محاسب کے دفتر کے پاس مجھے بابو فخر الدین صاحب ملے اور کہا۔ کہ مہاشہ فضل حسین صاحب کو یہ خوشخبری سنا دینا۔ کہ اب میرا بائیکاٹ ہونے والا ہے۔ جس سے بکڈپو کو فائدہ ہو گا۔ اور جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب نے حلفاً بیان کیا۔ کہ مجھے بھی کئی بار فخر الدین صاحب نے شکوہ کے رنگ میں کہا تھا۔ کہ بکڈپو جاری کر کے میری تجارت کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ اس کے متعلق حضور نے فرمایا۔ کہ بکڈپو سے ہمارا کیا فائدہ ہے۔ ہم نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام کتب کے حقوق سلسلہ کو دیدیئے ہوئے ہیں۔ مگر میاں فخر الدین صاحب کے دل میں یہ بغض ہے۔ کہ سلسلہ کا بکڈپو جاری کر کے ان کی دوکان کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ ان کی موجودہ حالت تو ثابت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے خود اپنے الہام سے میرے دل میں سلسلہ کا بکڈپو قائم کرنے کی تحریک کی۔ ورنہ اگر سلسلہ کا بک ڈپو نہ ہوتا۔ تو آج میاں فخر الدین صاحب کے اخراج کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ساتھ ہی سلسلہ بغیر لٹریچر کے رہ جاتا۔

فخر الدین کی فحش گوئی

اسی تحقیق کے دوران میں مولوی عبد الاحد صاحب نے ایک رپورٹ کی۔ کہ میاں فخر الدین صاحب کسی سے تحقیق وغیرہ کا ذکر کر رہے تھے۔ میں اور مولوی علی محمد صاحب اجمیری ان کے پاس سے گذرے۔ تو مولوی صاحب کسی قدر آگے تھے۔ میں پیچھے تھا۔ جب میں پاس سے گزرا۔ تو میں نے میاں فخر الدین صاحب کے منہ سے سلسلہ کے خلاف ایک نہایت گندہ فقرہ سنا۔ اس پر کمیشن نے ان کا بھی بیان لیا۔ اور انہوں نے مندرجہ ذیل بیان دیا:۔

مولوی عبد الاحد صاحب کا حلفیہ بیان

میں خدا تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ بیان کرتا ہوں۔ جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے۔ جو کچھ میں بیان کروں گا۔ وہ صحیح اور درست ہوگا۔ جناب بابو فخر الدین صاحب ملتانی کے متعلق مولوی تاج الدین صاحب کی شکایت پر جو مجھ سے شہادت طلب کی گئی تھی۔ اس مقدمہ کے متعلق صاحب موصوف ذکر کر رہے تھے۔ جن صاحب سے ذکر کر رہے تھے وہ غالباً سردار مصباح الدین صاحب تھے۔ ان سے انہوں نے کہا۔ "خیر دیکھی جائے گی۔ کن توں پکڑ کر کڈ دے سنے یا ......"۔ یعنی کان سے پکڑ کر نکالتے ہیں۔ یا شرمگاہ کا نام لے کر کہا۔ وہاں سے پکڑ کر"۔ پنجابی زبان میں ہر دو صاحبان گفتگو فرما رہے تھے۔ وقت عشاء اور مغرب کے درمیان کا تھا۔ مقام اس گفتگو کا فخر الدین صاحب کی دوکان کے متصل جو گلی ہے۔ اس کا وہ حصہ تھا۔ جو صاحب موصوف کی دوکان سے ملحق ہے۔ میرے ساتھ اس وقت اجمیری صاحب بھی تھے۔ جو چوک میں کھڑے ہو کر میرا انتظار کر رہے تھے۔ چونکہ وہ اس وقت بیمار تھے۔ وہ جلدی جانا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ مجھ سے آگے چل کر ٹھہر گئے۔ میں یہ بات سنکر مولوی صاحب کے پاس پہنچا۔ اور انہیں یہ واقعہ سنایا۔ اس کے بعد صبح کو ماسٹر غلام حیدر صاحب سے بھی اس کا ذکر ہوا۔

کمیشن کے سوال پر عرض ہے۔ کہ غالباً سردار مصباح الدین اس لئے کہا۔ کہ میں نے ان کا چہرہ نہیں دیکھا۔ میری طرف ان کی پیٹھ تھی۔ ہاں باقی حلیہ چونکہ بالکل انہیں کا تھا۔ اس لئے غالب گمان سے تعبیر کیا گیا۔

کمیشن کے سوال پر عرض ہے۔ کہ میں نے وہاں کھڑے ہو کر انہیں یہ نہیں کہا۔ کہ ایسی گندی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ کیونکہ ان کے متعلق پہلے ہی مقدمہ شروع تھا۔ میں نے اس لئے ان سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ میری کسی بات کا جبکہ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ کیا اثر ہو سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہیں لڑائی ہو جاتی۔ اگر لڑائی کا خوف نہ ہوتا۔ تو ضرور اسی وقت انہیں مناسب تنبیہ کر دی جاتی۔ خاکسار عبد الاحد ۲۶/۶/۳۷

میاں مصباح الدین صاحب اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن اس کا انکار نہیں۔ کہ یہ بات نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ کہ وہ اس موقعہ پر میاں فخر الدین صاحب سے باتیں نہیں کر رہے تھے۔ مگر اس انکار کا چنداں اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ مولوی عبد الاحد صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے شکل نہیں دیکھی۔ صرف شباہت سے انہوں نے یہ قیاس کیا ہے۔ پس اس انکار سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس وقت میاں مصباح الدین بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ کسی اور شخص سے میاں فخر الدین صاحب بات کر رہے تھے۔ میاں فخر الدین صاحب اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان کی تصدیق اور ذریعہ سے کرا دی ہے۔ جب میں سندھ سے واپس آیا ہوں۔ اور کمیشن کی رپورٹ میں نے پڑھی۔ ان دنوں مہاشہ محمد عمر صاحب۔ مولوی ابو العطاء صاحب کے ساتھ کہیں باہر تبلیغ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے راستہ سے مجھے خط لکھا۔ کہ بعض اہم باتیں سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہیں۔ میں بوجہ شرم پہلے بیان نہیں کر سکا۔ مگر اب مجھے خیال آیا ہے۔ کہ ان کا بیان کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ جب وہ واپس آئے۔ تو مجھ سے ملے اور انہوں نے بعض باتیں مجھ سے بیان کیں۔ جن میں سے بعض میاں فخر الدین صاحب کے متعلق تھیں۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ ان امور کو وہ لکھدیں۔ چنانچہ انہوں نے حلفیہ شہادت لکھدی۔ جو یہ ہے:۔

مہاشہ محمد عمر صاحب کا حلفیہ بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا سیدی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

۱۔ میں علیم وخبیر خدا کو گواہ رکھ کر یہ لکھتا ہوں۔ کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے۔ کہ ایک دن میں اور فخر الدین نزد دوکان لاہور ہوٹس کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہ اس نے دوران گفتگو میں کہا۔ کہ آہستہ آہستہ بولو۔ اور پیچھے نہ دیکھنا۔ میں نے کہا کہ کیا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ وہ جا رہا ہے۔ یہ بھی آجکل میرے خلاف بڑا حصہ لے رہا ہے۔ اتنے میں مولوی اللہ دتا صاحب سائیکل پر سے گذر گئے۔ جب گزر گئے۔ تو کہا۔ کہ یہ بھی خلیفہ کی ...... کا بال جا رہا ہے۔ اس جگہ اس نے پنجابی کا ایک نہایت ہی غلیظ لفظ بولا۔ جس کو شرافت اجازت نہیں دیتی۔ کہ لکھا جائے۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے۔ کہ جو دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ اور جس کی جھوٹی قسم انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اے خدا اگر یہ الفاظ اس نے نہ کہے ہوں۔ اور میں نے اپنے پاس سے لکھ دیئے ہوں۔ تو اس کا وبال میرے اور میری اولاد پر ڈال۔

۲۔ نیز میں خدا کی قسم کھا کر یہ بھی لکھتا ہوں۔ کہ اس نے ایک دن اپنے مکان کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا تھا۔ کہ تحریک جدید کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ پہلے تو لڑکوں کو تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اب جمع شدہ مل جاتے ہیں۔ اس جگہ اس کا مفہوم نہایت ہی گندہ اور حضور پر کمینہ حملہ تھا۔

۳۔ نیز میں نے اس سے ایک دن یہ بھی کہا تھا۔ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چھ مارچ کے جلسہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی اچھا سا شعر بتاؤ۔ انہوں نے ایک شعر بتایا۔ میں نے کہا۔ کہ کوئی اور بتاؤ۔ اس نے کہا۔ کہ اور تو کوئی نہیں۔ میں نے کہا۔ تو پھر "خلیفۃ المسیح ثانی" کا بتاؤ۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ ان کے شعر عاشقانہ ہوتے ہیں۔ ہاں اگر ان کی ضرورت ہے۔ تو ہزاروں مل جائینگے۔ عاشقانہ کلام تو ان کا مشہور ہے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں پہلے نکلوں گا۔ پھر مصری صاحب اور پھر سردار مصباح الدین۔ میں اپنے خدا کو گواہ رکھ کر یہ باتیں لکھتا ہوں۔ اور وہ دلوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ باتیں فخر الدین نے میرے ساتھ کی ہیں۔ اور میں خدا کو بھی گواہ رکھ کر شہادت لکھتا ہوں۔ واللّٰہ شہید علیٰ ما اقول۔ حضور کا ادنیٰ خادم محمد عمر۔

اس شہادت سے مولوی عبد الاحد صاحب کے بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ اب آپ لوگ غور کریں۔ کہ جو شخص اپنے گند اور بغض میں اس قدر بڑھ گیا ہو۔ کہ جس شخص کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہو۔ اسکی نسبت ایسے شرمناک لفظ استعمال کرے۔ وہ اخلاص اور ایمان کا دعویٰ کس بنا پر کر سکتا ہے۔ اگر اسی کا نام ایمان اور اخلاص ہے۔ تو موچی دروازے کے گنڈوں کو برا کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اول فحش کلامی۔ اور پھر خلیفہ وقت کی نسبت اور پھر یہ دعوےٰ کہ تمام مظالم کے باوجود ہمارے ایمان اور اخلاص میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

اس شہادت میں ایک اور بات بھی بیان کی گئی ہے۔ جو تحریک جدید کے بورڈنگ کے متعلق ہے۔ اور اسی طرح تحریک جدید کے وقف کنندگان کے متعلق ہے۔ اس میں جس قدر شرمناک حملہ مجھ پر کیا گیا ہے۔ وہ میں نہیں سمجھتا۔ کہ احراریوں کے حملوں سے یا دوسرے دشمنانِ سلسلہ کے حملوں سے کم ہو۔ اگر ایسے لوگ احمدیت میں رہ سکتے ہوں۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ خلافت اور نظام سلسلہ سے بدتر اور بے معنی لفظ دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بہتر ہوگا۔ کہ جماعت بے خلافت رہے۔ تا لوگوں کو ایسے بے معنے نظام پر ہنسی اڑانے کا موقعہ نہ ملے۔

مقبول کے اخراج کی حقیقت

پھر میاں فخر الدین صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مقبول ایک لڑکی کو بغیر تحقیق یہاں سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح ہمارے معاملہ میں کیوں نہ کیا گیا ایک تیسرے شخص کے حالات کو میاں فخر الدین صاحب کی تحریر کی وجہ سے میں پبلک میں نہیں لا سکتا۔ مگر اسقدر کہدینا چاہتا ہوں۔ کہ اس یتیم لڑکی کا بعض لوگوں سے بعض باتوں پر تنازعہ ہو گیا۔ اور اس نے خود مجھ سے کہا۔ کہ اب میں قادیان میں نہیں پڑھ سکتی۔ میں نے اسکو سمجھایا۔ مگر اس نے نہیں مانا۔ اس پر اسکی اپنی خواہش پر میں نے اس کا انتظام سیالکوٹ کر دیا۔ جہاں اسکی بعض سہیلیاں رہتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد وہاں کی جماعت کی لجنہ کی پریذیڈنٹ سیدہ فضیلت صاحبہ اور بعض اور مخلص مستورات نے اسکی نسبت بعض باتیں منسوب کیں۔ جو سلسلہ پر حملہ بنتی تھیں۔ اس پر میں نے اسے بلا اجازت قادیان آنے سے منع کر دیا۔ لیکن اس کے بعد وہ کئی دفعہ اجازت سے قادیان آچکی ہے۔ اور ابھی چند ماہ ہوئے۔ اس نے مجھے لکھا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ مجھے قادیان آکر سید ولی اللّٰہ شاہ صاحب کے ہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے دفتر کو ہدایت کی۔ کہ اسے اجازت دی جائے گو وہ بعد میں آئی نہیں۔ نہ معلوم دفتر کا خط اسے نہیں ملا۔ یا اس نے ارادہ بدل دیا۔ بہرحال اس معاملہ میں بھی میاں فخر الدین صاحب نے واقعات کو بالکل الٹ کر بیان کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ بوجہ اس کے کہ معاملہ ایک تیسرے شخص کے متعلق ہے میں تفصیل سے واقعات بیان نہیں کر سکتا۔

عبد الرحمٰن کی ملازمت

اب عبد الرحمٰن کی نوکری کا سوال رہ جاتا ہے۔ ہمیں سندھ کی زمینوں کے لئے قوی اور مضبوط آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک سال پہلے تک اسی جگہ ملازموں کی تلاش ہمارے لئے ایک تکلیف دہ سوال بن رہا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جا کر گھبرا کر آجاتے۔ اور ہمارا روپیہ ضائع ہو جاتا۔ صرف میری ہی زمینوں پر سے آٹھ دس آدمی بھاگ چکے ہیں۔ اور اس طرح میرا چار سو روپیہ کے قریب ضائع ہو چکا ہے۔ اس لئے وہاں ایسے آدمیوں کو چن کر بھجوایا جاتا ہے۔ جو مضبوط اور محنت کش ہوں۔ اور وہاں کی آب وہوا میں گزارہ کر سکیں۔ میاں عبد الرحمٰن چونکہ اچھی صحت کے آدمی ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ اگر تم حساب رکھنے کا کام سیکھ لو۔ تو تمہیں سندھ بھیجا جا سکتا ہے۔ اور تم کو ۲۵ روپیہ ماہوار دیئے جائیں گے۔

سندھ کے لئے ۲۵/-/- روپیہ ماہوار اس وقت کے لحاظ سے کوئی بڑی تنخواہ نہ تھی۔ وہاں میرا ایک ملازم ہے۔ پرائمری پاس بھی نہیں ہے۔ مگر ۲۳ روپیہ ماہوار اور ایک من غلہ تنخواہ انہیں دی جاتی ہے۔ جو چھبیس روپے ماہوار سے زائد بنتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا تھا۔ کہ وہاں لوگ جانے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ آب وہوا خراب تھی۔ اور سانپ بھی شروع میں اس قدر کثرت سے ہوتے تھے۔ کہ بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں دو دو تین تین کیس ہر ہفتہ ہو جاتے تھے۔ وہاں کے ایک انجینئر کی نسبت ایک دوست نے سنایا۔ کہ ایک دفعہ وہ کرسی پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ کہ اس نے تھک کر پاؤں بوٹ سے باہر نکالے۔ ایسا کرنا تھا۔ کہ ایک سانپ نکل کر اسکی طرف بڑھا۔ اور وہ بمشکل بچا۔ اب آبادی کی وجہ سے آب وہوا بھی اچھی ہو رہی ہے۔ دوسرے آٹھ ماہ سے ہم نے وہاں ہسپتال بھی کھول دیئے ہیں۔ علاج کا سامان فوراً میسر آجاتا ہے۔ نیز سانپ بھی آبادی کی وجہ سے کم ہو رہے ہیں۔ پس اب سات آٹھ ماہ سے لوگوں کو ادھر توجہ ہوئی ہے۔ اس سے پہلے دو تین سال ہمیں ملازموں کا تلاش کرنا سخت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مشکل ہوتا تھا۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ کام زمینداره ہے۔ اگر زمینداروں کو بھجواتے تھے۔ تو وہ چند ماہ کے بعد کام چھوڑ کر خود اپنا زمینداره شروع کر دیتے تھے۔ اور ملازمت کا تسلسل ٹوٹ جاتا تھا۔ ہمارے روپیہ سے تجربہ کر کے لوگ خود فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور غیر زمینداروں سے مضبوط آدمی جو زمینداره کام کی مشکلات کو برداشت کر لیں۔ ملنے مشکل تھے۔ پس ہم حسب حالات وہاں کی تنخواہیں دینے پر مجبور تھے۔ جو یہاں سے بہت زیادہ ہوں۔ میاں عبد الرحمٰن اس سے چھ ماہ پہلے سے بعض کام آنریری طور پر کر کے کچھ زمینداره کام سے واقف ہو گئے تھے۔ اور جسم سخت آب و ہوا کی برداشت کے قابل تھا۔ اور اکاؤنٹینسی کا کام بھی سیکھ لیا تھا۔ اور پھر کمپاؤنڈری بھی سیکھے ہوئے تھے۔ اس لئے میں نے ان کو تحریک جدید کی نئی زمینوں پر کام کرنے کیلئے مقرر کر دیا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ وہاں تنخواہوں کا حساب یہاں سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے ایک گریجوایٹ منیجر ہیں۔ وہ یہاں دس روپے پر کام کرنے کو راضی تھے۔ میں انہیں پندرہ یا بیس دیتا تھا۔ وہ آج کل وہاں کام کر رہے ہیں۔ اڑتالیس روپے تنخواہ ہے۔ دو من غلہ ملتا ہے۔ مکان مفت ہے۔ اور پیداوار پر انعام الگ ملتا ہے۔ سب ملکر ستّر روپے کے قریب تنخواہ ہو جاتی ہے۔ اب کجا پندرہ بیس اور کجا ستّر۔ عرصہ بھی زیادہ نہیں ہُوا۔ میرے پاس سندھ میں کام کرتے ہوئے انہیں صرف ایک سال کے قریب ہُوا ہے۔ ان کے ساتھ جو شرائط ہیں۔ ان کے مطابق وہ اچھی طرح کام کریں۔ تو سو روپیہ ماہوار ان کو مل جانا بھی بعید نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک دوسرے منیجر ہیں۔ وہ غالباً چھ سات جماعت پاس ہیں۔ لیکن بڑے تجربہ کار ہیں۔ انہیں ۴۵ روپے ماہوار تنخواہ اور دو من غلہ اور پیداوار پر انعام الگ ملتا ہے۔ جو اس سال تین سو سے زائد تھا۔ گویا انہیں کل اسّی روپے ماہوار کے قریب بیٹھے۔ اس سال انشاء اللہ امید ہے۔ کہ انہیں سو روپے ماہوار سے بھی زیادہ ملے گا۔ حالانکہ ان کی تعلیم میاں عبد الرحمٰن سے کم ہے۔ ہاں تجربہ ہے۔ میاں عبد الرحمٰن کچھ مدت میرے باغ میں کام کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ اور وہاں مجھے یہ احساس ہُوا تھا۔ کہ یہ زمینداره کام اچھی طرح کر سکیں گے۔ یہ کام وہ ۱۹۳۵ء سے کر رہے تھے۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں مَیں نے ان کے بارہ میں تجویز کی۔ کہ انہیں سندھ بھجوا دیا جائے۔ سندھ سے واپس آکر کچھ دنوں میں دوسرے کاموں میں مشغول رہا۔ مارچ کے تیسرے ہفتہ میں مَیں نے محاسب صاحب سے کہا۔ کہ ان کو حساب کا کام بھی سکھا دیں۔ اور ۲۵ مارچ کو جیسا کہ دفتر محاسب نے رپورٹ کی ہے۔ انہوں نے وہاں باقاعدہ کام کرنا شروع کیا۔ اور ملازمت پر مقرر ہوئے۔ ۳۱ مارچ کو یا یکم اپریل کو شام کے وقت (جیسا کہ امور عامہ کے ریکارڈ سے میں نے تاریخیں معلوم کی ہیں۔ اور ان کی بنا پر دوسری تاریخوں کا اندازہ کیا ہے) مصری صاحب نے مجھ سے میاں عبد الرحمٰن کے متعلق شکایت کی۔ کہ ایک گواہ کہتا ہے۔ وہ بھی چوری میں شامل ہیں۔ گویا ان کے تقرر کے بعد انہوں نے اغلب ہے۔ کہ منگل یا شاید بدھ کے روز جبکہ میں نے ان سے دریافت کیا۔ کہ وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو کیوں نہیں ملے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بات کی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔ اور بعد کی پولیس کی تفتیش نے بھی اسے غلط ثابت کر دیا۔ پس یہ خیال کہ ملازمت کے معاملہ میں ان سے کوئی رعایت ہوئی ہے۔ یا کہ ان کے خلاف شکایت موصول ہونے پر انہیں انعام ملا ہے۔ سراسر غلط ہے۔ محض اندرونی کدورت کی وجہ سے یہ خیالات ملتانی صاحب اور مصری صاحب کے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے تو اس معاملہ میں بھی ایسی احتیاط سے کام لیا ہے۔ کہ کم لوگ ایسی احتیاط سے کام لیتے ہوں گے۔ مثلاً اول وہ دفتر کے بعد میرے باغ میں آنریری طور پر کام کیا کرتے تھے۔ جب مصری صاحب نے مجھ سے ان کی شکایت کی۔ تو پہلا کام میں نے یہ کیا۔ کہ باغ کا کام اور آدمی کے سپرد کر دیا۔ اور ان سے کہدیا کہ اب تمہاری ضرورت نہیں۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہُوا۔ کہ وہ پھر بھی آکر نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اس پر میں نے انور صاحب کو جن کے ماتحت وہ اس وقت آچکے تھے۔ کہا۔ کہ ایک شخص اخلاص سے مفت کام کرتا ہو۔ اور باوجود منع کرنے کے نہ رکتا ہو۔ تو اسے میرا سختی سے منع کرنا بد تہذیبی میں داخل ہوگا۔ اس لئے آپ ان کو منع کر دیں۔ کہ جو زائد وقت بھی ہو۔ وہ دفتر میں دیا کریں۔ دوسرا کام نہ کریں۔ مگر وہ اس پر بھی نہ رکے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ میں اگر اپنے وقت میں سے کچھ ثواب کے لئے لگاتا ہوں۔ تو دفتر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور میرے پاس بھی کئی شکایات لکھیں۔ لیکن میں نے انور صاحب کو تاکید کی۔ کہ ان کو ضرور ہٹا دو۔ ورنہ مصری صاحب کی طبیعت میں سخت بدظنی ہے۔ وہ ضرور یہ نتیجہ نکالیں گے۔ کہ چونکہ ان کا کام کرتا ہے۔ اس لئے اسکی رعایت کرتے ہیں۔ (اس موقعہ پر مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور مولوی فاضل نے اٹھ کر بیان دیا۔ کہ حضور کے ارشاد پر میں نے اسے وہاں جانے سے روک دیا تھا۔ اور تحریری طور پر آرڈر دیکر اس کے دستخط حاصل کر لئے تھے) اس کے بعد وہ مجھے چٹھیاں لکھتا رہا۔ کہ مجھے کیوں منع کیا گیا ہے۔ مگر میں نے کبھی جواب نہیں دیا۔ ہاں بہت دق کرنے پر ایک دفعہ یہ جواب دیا۔ کہ جب تم ایک جگہ کام کرتے ہو۔ اور تمہارا وقت ان کا ہے۔ تو تمہارا کوئی حق نہیں۔ کہ ان کے روکنے پر شکایت کرو۔ اس کے بعد اس کے متعلق مصری صاحب کے لڑکے نے جب پھر شکایت کی۔ تو میں نے انور صاحب سے کہا۔ کہ بغیر جرم کے تو ہم ان کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔ لیکن ایسے حالات میں چھوٹے قصور بھی بڑے ہو جاتے ہیں۔ پس آپ میاں عبد الرحمٰن کے کام کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نگرانی کریں۔ اور اگر کوئی قصور ثابت ہو۔ تو فوراً میرے سامنے معاملہ پیش کریں۔ تا انہیں کام سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تا ان کا وجود دوسروں کے لئے ابتلاء کا موجب نہ بنے۔ مگر جب تک قصور سرزد نہ ہو۔ دیانتداری کے خلاف ہے۔ کہ ہم کوئی قدم محض مصری صاحب کو خوش کرنے کے لئے اٹھائیں۔ غرض جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ انہیں سندھ کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ لیکن انہیں قادیان اس لئے روکا گیا تھا۔ کہ تا اگر مصری صاحب کے بتائے ہوئے الزامات میں سے کسی کے گواہ ملیں۔ اور وہ تحقیق کرانا چاہیں۔ تو سندھ سے انہیں واپس نہ بلانا پڑے۔ چنانچہ وہ خود کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں۔ کہ جب مجھے سندھ کے لئے رکھا گیا تھا۔ تو وہاں بھیجا کیوں نہیں جاتا۔ ان کی تعلیم نو جماعت تک ہے۔ اور اس کے بعد انہوں نے غالباً لدھیانہ میں بجلی کے کام کا امتحان پاس کیا ہے۔ اور پھر کمپاؤنڈری کا کام بھائی کی دکان پر سیکھا ہے۔ اور اکاؤنٹنٹ کا کام دفتر محاسب میں سیکھا ہے۔

اور میں بتا چکا ہوں۔ کہ میرا ایک اپنا ملازم جو پرائمری پاس بھی نہیں۔ انعام وغیرہ ملا کر گذشتہ سال ۳۲ روپے تک ماہوار وصول کرتا رہا ہے۔ تو تنخواہیں حالات کے مطابق ہوتی ہیں۔ اب چونکہ وہاں وہ دقتیں نہیں رہیں۔ جو پہلے تھیں۔ اور آبادی بڑھ رہی ہے ہسپتال اور مدرسے جاری ہو گئے ہیں۔ ڈاکخانہ جاری ہو گیا ہے۔ اس لئے اب چند ماہ سے کم تنخواہوں پر بھی آدمی مل جاتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ ہم پہلوں کو اس بنا پر نکال دیں۔ کہ اب ہمیں سستے آدمی ملنے شروع ہو گئے ہیں۔ مگر یہ سستے آدمی بھی ایسے زیادہ سستے نہیں۔

اب جو لوگ انٹرنس پاس نہ ہوں۔ اور باقاعدہ ملازم ہوں۔ ہم انہیں ۲۰ روپے ماہوار اور ایک من غلہ اور انعام اگر اچھا کام کرے۔ الگ دیتے ہیں۔ جو سارا مل کر تیس روپے کے قریب اب بھی ہو جاتا ہے۔

ایک مغربی بدمذاقی کا واقعہ :- ایک اور واقعہ بھی زیر تحقیق آیا ہے۔ یہ واقعہ لاہور کا ہے جو احمدیہ ہوسٹل میں ہوا۔ یہ ایک مغربی بدمذاقی ہے کہ کالجوں میں نئے جانے والوں کے ساتھ پرانے طالب علم مذاق وغیرہ کرتے ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب احمدیہ ہوسٹل کا بیان ہے۔ کہ بعض پرانے طلباء نے نئے طلباء کے ساتھ ہنسی کی۔ اس کے جواب میں بعض نئے لڑکوں نے مصری صاحب کے بڑے لڑکے کے ساتھ مل کر پرانوں سے کچھ مذاق کیا۔ انہوں نے اس مذاق کو حد سے زیادہ سمجھا۔ اور چھت پر جا کر جہاں وہ لڑکے اس وقت تھے۔ ان سے جھگڑا شروع کر دیا۔ جھگڑے کو بڑھتے دیکھ کر عزیزم مرزا منیر احمدؐ میرے بھتیجے اور عزیزم مرزا منور احمدؐ میرے لڑکے کو دوسرے لڑکوں نے کہا۔ کہ چل کر لڑائی بند کرا دیں۔ وہ اوپر گئے۔ اور لڑائی کو بند کرایا۔ جب چھت سے لڑکے اتر آئے۔ تو پھر جوش میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ مرزا منیر احمدؐ نے پھر صلح کرانی شروع کی۔ مگر مصری صاحب کے لڑکے نے اسے غصہ میں تُو تُو کہہ کر بلانا شروع کیا۔ منیر احمدؐ نے اس پر غصہ میں آ کر مصری صاحب کے بڑے لڑکے کو مکہ مارا۔ اور لڑائی دوسروں سے ہٹ کر ان دو میں آ گئی۔ اس پر میرا لڑکا مرزا منور احمدؐ لڑائی کو بند کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ تو مصری صاحب کے چھوٹے لڑکے نے خیال کیا۔ کہ شاید میرے بھائی کو مارنے کو آگے بڑھا ہے۔ اور اس نے پیچھے سے آ کر منور احمدؐ کو مکہ مارا۔ اس پر منور احمدؐ کو بھی جوش آیا۔ اور اس نے اسکو مکہ مارا۔ کچھ شور و شر کے بعد دوسرے لڑکوں نے معاملہ رفع کر دیا۔ اور سپرنٹنڈنٹ نے بعد تحقیق سب کی آپس میں صلح کرا دی۔ اور غالباً اسی وجہ سے اسکی رپورٹ فوراً میرے پاس نہیں کی گئی۔ مگر کسی اور شخص نے میرے پاس رپورٹ کر دی۔ اتفاقاً اسی دن میں سخت بیمار ہو گیا۔ اور ایک وقت میں خطرہ پیدا ہو گیا۔ کہ شاید یہ آخری وقت ہے۔ چونکہ میں نے بہت سے لوگوں کا قرض دینا ہے۔ میں ڈرا۔ کہ کہیں کسی کا قرض ریکارڈ سے رہ نہ جائے۔ میں نے رات کو رات فون کر کے منور احمدؐ کو بلوایا۔ تا کہ اسکی اور اس کے بڑے بھائی مرزا مبارک احمدؐ کی موجودگی میں قرضداروں کے حقوق کے متعلق وصیت کر کے ان کے حقوق محفوظ کر دوں۔ اور ان کے اس پر دستخط کرا دوں۔ کیونکہ یہی دو جوان لڑکے میرے ہندوستان میں موجود ہیں۔ منور احمدؐ آدھی رات کو موٹر میں قادیان پہنچا۔ خیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رات خیریت سے گذر گئی۔ اور طبیعت بحال ہونے لگ گئی۔ جب دوسرے دن شام کو میری طبیعت زیادہ بحال ہوئی۔ تو میں نے مرزا منور احمدؐ کو بلوایا۔ اور اسکی والدہ اور مرزا مبارک احمدؐ کی موجودگی میں اس سے واقعہ پوچھا۔ اس نے جو واقعہ بتایا۔ اسی طرح بعد میں سپرنٹنڈنٹ نے رپورٹ کی۔ مگر چونکہ اس کا اقرار تھا۔ کہ مبارک احمدؐ پسر مصری صاحب نے اس دھوکہ سے کہ میں اس کے بھائی کو مارنے لگا ہوں۔ جب مجھے مارا۔ تو میں نے بھی غصہ سے اسے مارا۔ اس لئے میں نے اسے کہا۔ کہ یہ جواب ایک شریف ہندو اور ایک شریف عیسائی بھی دے سکتا ہے۔ تم مسلمان ہو۔ اور مسلمان بھی معمولی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے اور خلیفۂ وقت کے بیٹے۔ تم یہ بتاؤ۔ کہ تم نے اس تعلق کے لحاظ سے کونسا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو۔ اور میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں۔ کہ تم لوگ عفو سے کام لو۔ تم نے حضرت مسیح موعود اور میری تعلیم پر کس طرح عمل کیا۔ اور اگر تم نے عمل نہ کیا۔ تو دوسرے لوگوں پر ہم کیا حجت کر سکتے ہیں۔ تم کو چاہیئے تھا۔ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مار کھاتے۔ مگر ہاتھ نہ اٹھاتے۔ اگر مجھے یہ خبر آتی کہ تم نے مار کھائی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے آگے سے جواب نہیں دیا۔ تو مجھے نہایت خوشی ہوتی۔ اس میری بات کو سنکر اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور اس نے کہا۔ کہ مجھے بعد میں محسوس ہو گیا تھا۔ کہ میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے اس قسم کا نمونہ نہیں دکھانا چاہیئے تھا۔ (میاں منور احمدؐ صاحب اس وقت اتفاقاً میرے پاس بیٹھے تھے۔ حضور کی تقریر کے اس حصہ پر ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ گویا وہ اس پر بہت نادم تھے۔ رپورٹر)

یہ تو میرا طریق عمل ہے۔ لیکن اس کے برخلاف ان لوگوں کا طریق عمل دیکھیں۔ اس واقعہ کی اطلاع ان لوگوں کو بھی ملی۔ اور اس پر میاں فخر الدین صاحب نے جو اظہار خیال کیا۔ اس کے متعلق ماسٹر فضل داد صاحب کا حلفیہ بیان درج ذیل ہے:۔

ماسٹر فضل داد صاحب کا حلفیہ بیان

ماسٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر حلفیہ بیان کرتا ہوں۔ کہ تحریک جدید کے جلسوں کے دن مَیں چند منٹ کے لئے جلسہ سے باہر احمدیہ چوک کی طرف آیا۔ کرم الٰہی صاحب کی دوکان پر شیخ مصری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں السلام علیکم کے بعد گزرنے لگا۔ تو شیخ صاحب نے مجھے بلایا۔ اور کہا۔ کہ کیا آپ نے کچھ سنا ہے۔ کہ لاہور میں لڑکوں کی لڑائی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ صرف یہی سنا ہے۔ کہ فسٹ ایر والوں کے ساتھ کچھ جھگڑا ہوا ہے۔ مفصل مجھے یاد نہیں۔ اس پر انہوں نے ساری تفصیل سنائی۔ جس میں انہوں نے کہا۔ کہ میرے لڑکوں کو منیر احمدؐ اور منور احمدؐ صاحبزادگان نے مارا ہے۔ اسی دوران میں فخر الدین صاحب ملتانی اپنی دکان سے شاید باہر آکر شیخ صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔ اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے۔ کہ یہ بھی کوئی شرافت ہے۔ کہ گورے چٹے لڑکوں کے واسطے دوسروں کو لاٹھیاں ماری جاویں۔ اور پھر ماری بھی بے قصور جائیں۔ میں نے ان کو عرض کیا۔ کہ یہ بھی کوئی شرافت نہیں۔ کہ صاحبزادگان پر آپ اس طرح الزام لگاتے ہیں۔ میں اس کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ یہ وہیں رہے۔

محمدؐ فضلداد عفی عنہ بقلم خود

آپ لوگ ان کے اندرونی بغض کا اور میرا جو ان کے متعلق رویہ تھا۔ اس سے بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ واقعات سے ثابت ہے۔ کہ یہ لوگ دیر سے خلافت سے الگ ہو چکے تھے۔ اب ان کے خلیفہ مصری صاحب تھے۔ اندر ہی اندر کھچڑیاں پک رہی تھیں۔ اور ہر واقعہ کو مروڑ کر اپنے بغض کی رنگ آمیزی کے بعد میرے خلاف پروپیگنڈا کا ایک ذریعہ بنایا جا رہا تھا۔

مومن ہونے کے لئے ضروری شرط

خلاصہ یہ کہ مولوی تاج الدین صاحب کی رپورٹ پر تحقیق ہوئی۔ اور اس کے جواب میں میاں فخر الدین صاحب نے جو بیان دیا۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے تصرف سے ان کے منہ سے وہ کچھ کہلوا دیا۔ جو ان کے اس جرم کو ظاہر کرنے والا تھا۔ جو سالہا سال سے وہ کرتے چلے آتے تھے۔ انہوں نے اس بیان میں علاوہ اور الزامات کے کھلے الفاظ میں مجھ پر یہ الزام لگایا۔ کہ میں نے چوری کے واقعہ میں فریق ثانی کی رعایت کی ہے۔ حالانکہ میں نے ہر قدم پر ان کی مدد کی۔ مگر انہوں نے متواتر مجھے ظالم اور چوروں کا ساتھی قرار دیا۔ اور فحش کلامی اور ہر قسم کے اتہامات لگانے سے بھی باز نہیں رہے حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے۔ فلا وربک لایؤمنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔ یعنی اے محمدؐ میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک اپنے جھگڑوں میں تجھکو حکم مقرر نہ کریں۔ اور پھر جب تو فیصلہ کرے۔ تو اس کے متعلق اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ دل سے بھی اس کے صحیح ہونے کو تسلیم کریں۔ گویا قرآن کریم کا یہ حکم ہے۔ کہ جب رسول یا اس کا خلیفہ فیصلہ کرے۔ تو اسے ٹھیک مان لیا جائے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ خلیفہ غلط فیصلہ کر دے۔ مگر پھر بھی اسے رغبت دل کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کسی کو سزا دینا چاہے۔ اور اس لئے وہ سچا ہونے کے باوجود مقدمہ میں جھوٹا ثابت ہو جائے۔ ممکن ہے۔ کوئی کہے۔ کہ یہ آیت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ نبی تھے۔ مگر اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ نبی اور خلیفہ میں اس جگہ فرق ہوتا ہے۔ جہاں نبوت کا مخصوص سوال ہو۔ اور مقدمات میں نبوت کے مقام کو کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں غلطی کر سکتا ہوں۔ اگر نبی کے فیصلے منصب نبوت کے ماتحت ہوتے۔ تو وہ ان میں کبھی غلطی نہ کر سکتا۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ایک شخص کے حق میں کر دیا۔ تو دوسرے نے کہا۔ کہ میں اس فیصلے کو تو مانتا ہوں۔ مگر یہ ہے غلط۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی لسّان شخص مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کروا لے۔ مگر میرا فیصلہ اسے خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔ گویا آپ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ قضاء کے بارہ میں مَیں بھی غلطی کر سکتا ہوں۔ مگر باوجود اس کے قرآن کریم کہتا ہے۔ کہ اگر یہ لوگ شرح صدر سے تیرے فیصلے کو نہیں مانیں گے۔ تو یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ پس اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ کی پوزیشن ایک ہی ہے۔ نظام کے قیام کے لئے یہ بات ضروری ہے۔ کہ ایک انسان کو ایسا حکم مان لیا جائے۔ کہ جس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے فیصلہ کے آگے کوئی چون وچرا نہ کرے۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ کیا خلیفہ بے گناہ ہوتا ہے۔ کیا وہ غلط فیصلہ نہیں کرسکتا۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ اے بیوقوفو۔ کیا مجسٹریٹ بے گناہ ہوتے ہیں۔ کیا وہ غلطی نہیں کرسکتے: پھر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ رشوت بھی لیتے ہیں۔ جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ متعصب بھی ہوتے ہیں۔ پکڑے جاتے اور سزا بھی پاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ حکومتوں نے ان کے فیصلہ پر سخت جرح کرنے کو ہتک عدالت قرار دیا ہے۔ اور ایسا کرنیوالے کو سزا دی جاتی ہے۔ تم اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف اس قسم کی بات کہو۔ کہ اس نے رعایت سے کام لیا ہے۔ تو فوراً جیل خانہ میں بھیج دیئے جاؤ۔ مگر کیا خدائی گورنمنٹ کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں۔ کہ جو کچھ منہ میں آئے کہہ دیتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی علی الاعلان کہہ سکتا ہے۔ کہ مجسٹریٹ نے دیانتداری کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ مگر یہ کہنے میں تمہیں کوئی باک نہیں۔ کہ خلیفہ نے دیانتداری کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کا نام حریت و آزادی رکھتے ہو۔ لیکن سرکاری مجسٹریٹ کے فیصلہ کے متعلق یہ بات کہتے وقت یہ حریت و آزادی کہاں جاتی ہے۔ اس کے متعلق صرف اس وجہ سے نہیں کہتے۔ کہ گورنمنٹ کی جوتی سر پر ہوتی ہے۔ تم میں بعض لوگ بیٹھے ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ کیا چھوٹی سی بات پر جماعت سے نکال دیا۔ مگر سوچو۔ کیا یہ بات چھوٹی ہے؟ قرآن کریم نے کہا ہے۔ کہ جو کہتا ہے۔ نبی یا اس کے جانشینوں کا فیصلہ غلط ہے۔ وہ مومن ہی نہیں۔ صحابہؓ نے تو اس بات کو اس قدر اہم قرار دیا ہے۔ کہ ایک دفعہ دو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ ہمارا فیصلہ کردیں۔ ان میں سے ایک منافق تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی بات سن ہی رہے تھے۔ کہ اس نے خیال کیا۔ شاید فیصلہ میرے خلاف ہی نہ کردیں۔ اس لئے اس نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ آپ کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اپنا یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ لے جاؤ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اور دوران گفتگو میں حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم ہوا۔ کہ پہلے یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گئے تھے۔ مگر وہاں یہ منافق یہ کہکر آیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ سے ہم فیصلہ کرالیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے اور تلوار لاکر اس شخص کی گردن اڑا دی۔ اس کے رشتہ دار رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں یہ ماننے کو تیار نہیں۔ کہ عمرؓ مومنوں کی گردنیں کاٹتا پھرتا ہے۔ مگر آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بلاکر دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ بات درست ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا۔ کہ یہ شخص اس طرح آپ کو کہکر گیا ہے۔ اس لئے میں نے مار دیا۔ کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے عمرؓ پر زیادہ اعتبار کرتا ہے۔ اسکی سزا یہی ہے۔ بے شک حضرت عمرؓ کا یہ فعل درست نہ تھا۔ ہماری شریعت اسکی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن جہاں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہ حکم اللہ ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا۔ وہاں اللہ تعالےٰ نے حضرت عمرؓ کے اصل کو تسلیم کیا۔ کہ ایسا کہنے والا مومن نہیں کہلا سکتا۔ اور فرمایا۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم۔ ہم اپنی ذات کی قسم کھاکر کہتے ہیں۔ کہ گو قتل کا فعل درست نہیں۔ مگر یہ بھی درست نہیں۔ کہ وہ شخص مومن تھا۔ اور عمرؓ نے مومن کو قتل کیا۔ جو شخص تیرے فیصلہ کو نہیں مانتا۔ وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ نے ایک فاسق کو مارا تھا۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود فرماتے ہیں۔ کہ میں غلطی کرسکتا ہوں۔ تو پھر خلیفہ سے غلطی کس طرح ناممکن ہے۔

مگر پھر بھی اس کے فیصلہ کو شرح صدر کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ اس اصل کو بھلا دو۔ تو تمہارے اندر بھی تفرقہ اور تنفر پیدا ہو جائیگا۔ اسے مٹا دو۔ اور لوگوں کو کہنے دو۔ کہ خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔ تو تم بھی پراگندہ بھیڑوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ جن کو بھیڑیئے اٹھاکر لے جائیں گے۔ اور دنیا کی لعنتیں تم پر پڑیں گی۔ جسے خدا نے عزت دی ہے۔ تمہارے لئے اسی کی عیب جوئی جائز نہیں۔ اگر وہ غلطی بھی کرتا ہے۔ اور اسکی غلطی سے تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو تم صبر کرو۔ اور خدا دوسرے ذریعہ سے تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اور اگر وہ گندہ ہوگیا ہے۔ تو جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں: تم خدا کے آگے اس کا معاملہ پیش کرو۔ وہ اگر تمہیں حق پر دیکھیگا۔ اسے خود موت دے دیگا۔ اور تمہاری تکلیف دور کردے گا۔ مگر تمہارا اپنے ہاتھ میں قانون لینا اور ظاہر یا خفیہ خلیفہ کی ذات یا عزت پر حملہ کرنا تم کو خدا تعالےٰ کی لعنت کا مستحق بناتا ہے۔ اگر تم خدا تعالےٰ کے قائم کردہ کی عزت پر ہاتھ ڈالوگے۔ تو یاد رکھو۔ خدا تعالیٰ تمہاری عزت کی چادر کو چاک چاک کردیگا۔ اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ تمہاری عزت اسی میں ہے۔ کہ خلافت کی عزت کرو۔ اور جو شخص اسکی بے عزتی کے لئے کھڑا ہو۔ تم اس سے تعلق نہ رکھو۔ بے شک اسلام میں قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسے شخص سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کرکے تم اپنے فرض کو ادا کرسکتے ہو۔ اور اعلان کرسکتے ہو۔ کہ اب یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔ اب یہ بات تمہارے اختیار میں ہے۔ چاہے تو خدا تعالےٰ کے قائم کردہ خلیفہ کی عزت کو قائم کرکے خود بھی عزت پاؤ۔ اور چاہے تو اسکی عزت پر ہاتھ ڈالو۔ اور خدائی تلوار تمہیں اور تمہاری اولادوں کو تباہ و برباد کردے۔ (الفضل)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

جلد ۲۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۷ / اگست ۱۹۳۷ء | نمبر ۱۷

ثنائی مشن

رسالہ تعلیمات مرزا کا جواب

اختلافات کے تفصیلی جوابات

پہلا اختلاف:- مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے پہلے یہ لکھا۔ کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (براہین احمدیہ) اور بعد فرمایا۔ کہ مسیح کوئی نہ آئے گا۔ آنے والا میں ہوں (ازالہ اوہام)

جواب:- سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "میں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے۔ وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے۔ جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھدیا تھا۔ کہ میں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے۔ لیکن جب مسیح آئے گا۔ تو اسکی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے۔ صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے۔ جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدائے تعالٰے سے الہام پاتے ہیں۔ وہ بغیر بلائے نہیں بولتے۔ اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور بغیر فرمائے کوئی دعوٰے نہیں کرتے۔ اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب تک خدا تعالےٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ تب تک اہل کتاب کی سنن دینیہ پر قدم مارنا بہتر جانتے تھے۔ اور بر وقت نزول وحی اور دریافت اصل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اسی لحاظ سے حضرت مسیح بن مریم کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ اب جو خدا تعالےٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا۔ تو عام طور پر اس کا اعلان ازبس ضروری تھا۔" (ازالہ اوہام ص۸۱ طبع سوم)

(ب) "میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا۔ تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا۔ محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں۔ کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعوٰی نہیں۔ جب تک کہ خود خدا تعالےٰ مجھے نہ سمجھاوے۔" (کشتی نوح ص۴۷)

(ج) "مجھے کب اس بات کا دعوٰی ہے۔ کہ میں عالم الغیب ہوں۔ جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اور بار بار نہ سمجھایا۔ کہ تو مسیح موعود ہے۔ اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے۔ تب تک میں اسی عقیدہ پر قائم تھا۔ جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی۔ تو میں اس عقیدہ سے باز آگیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا۔ اور مجھے نور سے بھر دیا۔ اس رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔" (اعجاز احمدی ص۶)

(د) "میرے کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جبتک مجھے اس سے علم نہ ہوا۔ میں وہی کہتا رہا۔ جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھکو اسکی طرف سے علم ہوا۔ تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعوٰی نہیں۔ بات یہی ہے۔ جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔"

(حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

ان حوالجات کی موجودگی میں مولوی صاحب کا حضرتؑ کے بیانات پر اعتراض کرنا سراسر ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس قسم کے اختلاف کے متعلق ہم پہلے کافی لکھ چکے ہیں۔ اس جگہ مولوی صاحب کا فتوٰی انہی کے الفاظ میں درج کرتے ہیں:-

"خداوند تعالےٰ کو یہ اختیار ہے۔ کہ اپنے علم غیب سے کسی قانون کو جب تک چاہے۔ جاری رکھے۔ اور جب چاہے منسوخ کرے۔ اس سے بہتر دوسرا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قانون جاری کرے"۔ (اہلحدیث ۲ رجون ۱۹۳۰ء صلا) جب خدا جو عالم الغیب ہے۔ وہ قانون کو بدل دیتا ہے۔ اور آپ کے نزدیک کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ تو اگر کوئی بندہ اپنے ناقص علم کو خدا کے کامل علم سے بدل دے۔ تو کیونکر ناجائز ہو گیا؟ انصاف انصاف۔

دوسرا اختلاف۔ رسالہ انجام آتھم صلا اور ضمیمہ براہین احمدیہ ص۸۹ سے حضرت مسیح کے متعلق داؤد کے تخت کو بحال کرنے والی پیشگوئی کے ظاہری اور تاویلی مفہوم کو نقل کرکے مولوی صاحب لکھتے ہیں:-

"پہلے بیان میں حضرت یسوع مسیح کی پیشگوئی ان کی بناوٹی بتا کر موجب ذلت بتائی۔ دوسرے میں خدا کی طرف سے بتا کر تاویل پوری ہونے کی اطلاع دی۔ کیا خوب"۔ (تعلیمات ص۵)

الجواب:- اوّل۔ عیسائی لوگ اجتہادی غلطی کے قائل نہیں۔ اور نہ ہی یہ مانتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں خدا کے بتانے سے تھیں۔ بلکہ وہ ان کو خدا کہتے اور ان کے اپنے کلام کا نام ہی پیشگوئی رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے بیان اول عیسائی مسلمات کی بناء پر ہے۔ اور ظاہر کو مدنظر رکھ کر جیسا کہ سیاق و سباق عبارت صاف بتا رہا ہے۔ بیان ثانی واقعیت کی بناء پر ہے۔ اور اس کے تاویلی معنوں کو مدنظر رکھ کر۔ اس لئے اعتراضِ اختلاف باطل ہے۔ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔

دوم۔ ظاہری اور تاویلی معنوں کے اعتبار سے بیان کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ظاہرا اعتبار سے محدثین ایک حدیث کو غلط قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاویلی معنوں سے وہ درست قرار پاتی ہے۔ اور یہ روزمرہ کے محاورات میں بھی ہوتا ہے۔ چونکہ مولوی صاحب نے آئندہ نمبروں میں بھی اس قسم کی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ہم اس جگہ ظاہر اور تاویل کے لحاظ سے غلط اور صحیح ہونے کی بعض ایسی مثالیں ذکر کر دیتے ہیں۔ جو مولوی صاحب کو مسلم ہیں۔

پہلی مثال۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:-

(الف) "جو مسلمان مصنف تورات انجیل سے توحید کا ثبوت اور تثلیث کا رد بیان کرتے ہیں۔ ہم ان کی رائے کے مخالف ہیں۔ جبکہ فریق مقابل خود اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ہماری کتابوں کا مضمون مثبت تثلیث ہے۔ تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ ان کے خلاف معنے کریں۔ ہم بھی انہیں معنوں کو مان کر ان کی کتابوں کی بے اعتباری ثابت کریں گے۔ جس سے بحث بآسانی طے ہو سکتی ہے"۔ (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۱۰۹ حاشیہ)

(ب) حضرت مسیح کے متعلق لفظ "خدا کا بیٹا کہلائیگا" پر لکھتے ہیں:-

"یہ ایک انجیلی محاورہ ہے۔ کہ نیک بندوں کو خدا کے فرزند کہا جاتا ہے۔ انجیل متی ۵ باب"۔

(تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۳۳)

ناظرین کرام! پہلی عبارت میں انجیل کو مثبت تثلیث مانا ہے۔ اور دوسری میں خدا کے بیٹے ہونے کی تاویل کی ہے۔ کیا آپ اسے اختلاف تسلیم کرینگے؟

دوسری مثال۔ (الف) "ہم علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ ہم تورات انجیل زبور وغیرہ کو کتب الہامیہ مانتے ہیں"۔ (اہلحدیث ۲۰ جون ۱۹۳۰ء)

(ب) "تقریر بالا سے نہ صرف الوہیت مسیح کا بطلان ثابت ہوا۔ بلکہ تورات انجیل کا (جن میں الوہیت مسیح مذکور ہے) بھی اعتبار نہ رہا۔ اور کلام اللہ ہونے کے مرتبہ سے ساقط الاعتبار ہو گئیں"۔ (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۱۰۹)

گویا تورات انجیل کلام الٰہی بھی ہیں۔ اور نہیں بھی۔ کیا آپ اسے اختلاف مانیں گے؟

تیسری مثال:- لکھا ہے:-

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی۔ کہ نمازی کے سامنے سے عورت یا کتا گزر جائے اور سترہ نہ ہو۔ تو نماز جاتی رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ روایت غلط ہے۔ (بخاری شریف)

محدثین کے قاعدے[۱] سے اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ ابن عباس اور ابوہریرہ کی روایت درصورت صحیح مرفوع غیر مؤوّل ہونے کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول اور روایت سے غلط نہیں ہو سکتی۔ نہ دونوں میں تعارض ہے۔ کیونکہ ابوہریرہ کی روایت کا مطلب یہ ہے۔ کہ عورت وغیرہ نمازی کے آگے سے گذرے۔ تو نماز ٹوٹے گی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس طرح کی نہیں۔ بلکہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے سامنے بیٹھی ہوتی تھیں۔ آگے سے نہ گذرتی تھیں۔ فافہم۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ ابوہریرہ کی روایت کا مطلب بھی اصلی قطع صلوٰۃ نہیں۔ بلکہ قریب قطع مراد ہے"۔ (اہلحدیث ۸ رجولائی ۱۹۳۰ء ص۱۱)

دیکھا جب اپنے اوپر بات آتی ہے۔ کس طرح توجیہات نکل آتی ہیں۔ اور اختلاف کا نام تک بھول جاتا ہے۔

چوتھی مثال۔ علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"وما یروی من الحدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد فیستھل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنھا فاللہ اعلم بصحتہ فان صح فمعناہ ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ الا مریم وابنھا فانھما کانا معصومین و کذالک کل من کان فی صفتھما[۲]"۔ (تفسیر کشاف جلد ۱ ص۳۰۲)

اب دیکھ لیجئے۔ بخاری کی مشہور حدیث ما من[۳]

۱؎۔ اگر وہ قاعدہ حضرت مرزا صاحب استعمال کریں۔ تو اسے اختلاف شمار کرتے ہیں۔ العجب۔ ابوالعطاء۔

۲؎۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ امت محمدیہ میں کوئی ابن مریم نہیں ہو سکتا۔ وہ اس حدیث اور اسکی تشریح پر غور کریں۔

۳؎۔ یہ حدیث تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۸۹ پر بھی مذکور ہے۔ ابوالعطاء۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مولود کے متعلق پہلے لکھتے ہیں۔ کہ اسکی صحت ہی ثابت نہیں۔ اور اگر اس کو صحیح مانا جاوے۔ تو اس سے مراد یہ ہوگی۔ کہ ہر وہ شخص جو مریم یا عیسیٰ کے صفات رکھتا ہو۔ وہ معصوم ہوگا۔ گویا ظاہری معنوں کی رو سے حدیث ناقابل تسلیم ہے۔ اور تاویلی معنوں کی رو سے مسلم۔

ان ہر چہار امثلہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ کہ بعض دفعہ ایک بات اپنے ظاہری الفاظ میں قابل تسلیم نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اسکی تاویل کر لی جاوے۔ تو وہ درست ہو جاتی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجیل کے بیان پر عیسائی قاعدہ کے ماتحت اعتراض فرمایا ہے۔ مگر اسلامی طریق سے تاویل کی ہے۔ فلا اعتراض۔ ہاں تطبیق کے مسئلہ پر مولوی ثناء اللہ صاحب آیات قرآن کے متعلق لکھ چکے ہیں:۔

"قرآن مجید کی مختلف آیات میں جو تطبیق دی جاتی ہے۔ کیا خدا سے پوچھ کر دی جاتی ہے۔ نہیں بلکہ خود کلام میں قرائن ایسے تلاش کئے جاتے ہیں۔ یہ عام قانون ہے۔" (۲۰ رجون ۱۹۳۰ء)

تیسرا اختلاف۔ کتاب چشمہ مسیحی صفحہ ۹ اور ضرورت الامام صفحہ ۷ سے دو عبارتیں نقل کر کے لکھتے ہیں:

"پہلے اقتباس میں حضرت مسیح کے جس قول کی مذمت ہے۔ دوسرے میں اسی کی تحسین ہے۔" صفحہ ۷۔

الجواب۔ رسالہ چشمہ مسیحی کے محولہ بالا مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید اور انجیل کی تعلیم کا موازنہ فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم پر معترض عیسائیوں کو جواب دیا ہے۔ اسی دوران میں یہ فقرات بھی ہیں۔ کہ:۔

"دوسروں کو یہ بھی حکم دیا۔ کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے۔ کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا۔ اور ہر ایک وعظ میں یہودی علماء کو سخت سخت گالیاں دیں۔ اور بڑے بڑے ان کے نام رکھے۔ اخلاق معلم کا فرض یہ ہے۔ کہ پہلے آپ اخلاق کریمہ دکھلاوے۔ پس کیا ایسی تعلیم ناقص جس پر انہوں نے آپ بھی عمل نہ کیا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ پاک اور کامل تعلیم قرآن شریف کی ہے۔ جو انسانی درخت کی ہر ایک شاخ کی پرورش کرتی ہے۔" صفحہ ۹۔

صاف ظاہر ہے۔ کہ اس میں عیسائیوں کے اس نقطۂ خیال کی تردید کی گئی ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ اخلاق کریمہ یہی ہیں۔ کہ ہر مقام پر عفو سے کام لیا جاوے۔ قرآن مجید نے جو سختی کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ اور انہیں بتایا گیا ہے۔ کہ اگر اخلاق صرف نرمی کے پہلو کا ہی نام ہے۔ تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام پر بھی بدزبانی کا الزام آتا ہے۔ اس کے بالمقابل رسالہ ضرورت الامام سے جو عبارت مولوی صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:۔

"اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ سؤر۔ کتے۔ بے ایمان۔ بدکار وغیرہ وغیرہ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ نعوذ باللہ آپ اخلاق فاضلہ سے بے بہرہ تھے۔ کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھاتے اور نرمی کی تعلیم کرتے تھے۔ بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے منہ پر جاری رہتے تھے۔ یہ غصہ کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے۔ بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔" (تعلیمات صفحہ ۷)

گویا اگر اخلاق فاضلہ کا اسلامی نقطۂ نگاہ تسلیم کیا جائے۔ تو بے شک حضرت مسیح صاحب اخلاق فاضلہ تھے۔ بلکہ معلم اخلاق تھے۔ لیکن اگر عیسائیوں کا معیار جس سے وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ مدنظر رکھا جاوے۔ اور اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو پھر از روئے اناجیل حضرت مسیح پر بھی بدزبانی کا الزام آتا ہے۔ لہٰذا دونوں عبارتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

میرا یقین ہے۔ کہ مولوی صاحب ایسے اعتراض عمداً دھوکہ دینے کے لئے کرتے ہیں۔ ورنہ کیا وہ ایسی سادہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ حالانکہ خود اخبار اہلحدیث میں شائع کر چکے ہیں:۔

"حضرت مسیح نے فرمایا۔ کہ جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کہے گا۔ وہ جہنم کی سزا کے لائق ہوگا۔" ۵/۲۲ یہ آیت اس امر کے متعلق نص صریح ہے۔ کہ اپنے کسی بھائی کو احمق کا لفظ استعمال کرنا اتنا گناہ عظیم رکھتا ہے۔ کہ اس کا ٹھکانا سوائے جہنم کے کچھ نہیں۔ اور دوسری جگہ خود جناب مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو احمق کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوا۔ کہ مسیح[1] بھی اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے۔" (اہلحدیث ۲۹ نومبر ۳۰ء صفحہ ۱۱)

اب یہ سوال ہے۔ کہ کیا فی الواقع حضرت مسیح گنہگار اور جہنم کے مستحق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ انجیلی بیان کی رو سے نتیجہ ہے۔ اسلامی اخلاق کا معیار یہ ہے۔ کہ نرمی اور سختی ہر دو برمحل ہوں۔ فاندفع الشک۔

چوتھا اختلاف۔ اس نمبر میں مولوی صاحب نے حضرت مسیح کے حسب ذیل تین فقرات پیش کئے ہیں:۔

(۱) "یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا۔ کہ لوگ جانتے تھے۔ کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔" (ست بچن صفحہ ۱۷۲)

(۲) جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے۔ کسی نے اسکو کہا۔ اے نیک استاد۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک کوئی نہیں۔ مگر خدا یہی تمام اولیاء کا شعار رہا ہے۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار قرار دیا ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۔۔)

(۳) "حضرت مسیح تو ایسے خدا کے متواضع اور حلیم اور عاجز اور بے نفس بندے تھے۔ کہ انہوں نے یہ بھی روا نہ رکھا۔ جو کوئی ان کو نیک آدمی کہے۔" (مقدمہ براہین صفحہ ۱۰۳)

---

[1] مولانا! اسجگہ لفظ بھی مسیح ہے۔ جو بقول آپ کے اسلامی اصطلاح ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان تین عبارتوں کو نقل کر کے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ:۔

"پہلے حوالہ میں یہ فقرہ موجب مذمت بتایا۔ دوسرے اور تیسرے میں وہی فقرہ باعث مدح قرار دیا۔"

(تعلیمات صـ۷)

الجواب:۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے آریوں کو جواب دیتے ہوئے ایک اصول ذکر کیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ:۔

"ہر ایک کلام کے معنے وہی صحیح ہیں۔ جو متکلم کے منشاء کے مطابق ہوں۔ اور اگر کسی کلام کے ایسے معنے ہوں۔ جو متکلم ان کو صحیح نہ جانتا ہو۔ گو اپنی کھینچ تان سے ہم ان کو سیدھا بھی کر لیں۔ حقیقت میں سیدھے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ متکلم ایسے معنے سے انکاری ہے۔ غالباً یہ اصول سب اہل زبان کو پسند ہوگا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ صـ۱۶۰)

مگر افسوس کہ آپ احمدیت کی مخالفت میں ہمیشہ کلام کے وہ معنے لیتے ہیں۔ جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام انکاری ہیں۔ کیا یہ دیانتداری ہے؟

ست بچن میں حضرت اقدس ؑ نے عیسائیوں کے کفارہ کے ابطال میں ان کے مسلمہ کے طور پر انجیل سے الزامی جواب دیا ہے۔ چنانچہ جس عبارت پر حاشیہ ہے۔ جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ "یسوع کے مصلوب ہونے سے اس پر ایمان لانیوالے گناہ سے رک نہیں سکتے۔ الخ۔" اور باقی دو عبارتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاکسار بندہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ گویا اعتراض اس نقرہ پر عیسائی نقطۂ خیال سے ہے۔ اور تعریف اسکی اسلامی نقطۂ نگاہ سے ہے۔ انجیل میں لکھا ہے:۔

"یوحنا نہ کھاتا آیا نہ پیتا۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ اس میں بدروح ہے۔ ابن آدم کھاتا پیتا آیا۔ اور وہ کہتے ہیں۔ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار۔" متی ۱۱/۱۸-۱۹

پس یہ بھی اعتراض باطل ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھ دیا ہے۔ کہ:۔

"ہم تو قرآن شریف کے فرمودہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کو سچا نبی مانتے ہیں۔ ورنہ اس انجیل کی رو سے (جو موجود ہے) ان کی نبوت کی بھی خیر نہیں۔ عیسائی تو ان کی خدائی کو روتے ہیں۔ مگر ہمیں ان کی نبوت ہی ثابت کرنا بجز ذریعہ قرآن شریف کے ایک غیر ممکن امر معلوم ہوتا ہے۔" (ضمیمہ براہین پنجم صـ۱۰۲)

پانچواں اختلاف۔ اس نمبر میں مولوی صاحب نے فقرہ "یسوع کی قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی۔ کہ وہ کون تھا۔" (ضمیمہ انجام آتھم صـ۹) اور چشمہ معرفت کی عبارت ذیل میں اختلاف بتایا ہے:۔

"اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے یسوع کی پیدائش کی مثال بیان کرنے کے وقت آدم کو ہی پیش کیا ہے۔ جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ یعنی عیسیٰ کی مثال خدا تعالےٰ کے نزدیک آدم کی ہے۔ کیونکہ خدا نے آدم کو مٹی سے بنا کر پھر کہا۔ کہ تو زندہ ہو جا۔ پس وہ زندہ ہو گیا۔" (تعلیمات صـ۸)

الجواب۔ انجام آتھم کی عبارت کے ساتھ ہی اس کا دوسرا فقرہ بھی نقل کر دیتے۔ تو بات طے ہو جاتی جہاں لکھا ہے:۔

"اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔"

گویا یسوع کی اپنی ذات بُری نہیں۔ بلکہ عیسائیوں نے ان کی طرف غلط عقائد منسوب کر دیئے ہیں۔ اور وہ ایسی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ جو قابل اعتراض ہے۔ پس قرآن مجید نے اس حیثیت سے ان کا ہرگز ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں انکی نبوت کے اعتبار سے ان کی ولادت ووفات کا ذکر ہے۔ ہمارے نزدیک جیساکہ میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ یسوع اور عیسےٰ دو ذاتیں نہیں ذات ایک ہی ہے۔ مگر ایک ذات کی دو حیثیتیں ہیں۔ جن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مولوی ثناء اللہ نے خود لکھا ہے:۔

"لائق مضمون نگار (مسیحی) نے کوشش کی ہے۔ کہ مسلمانوں کو قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ کا تعارف کرائے۔ مگر اس حیثیت سے جو آج عیسائیوں کے ذہن میں ہے۔ یعنی ابنیت اور الوہیت وغیرہ۔"

(اہلحدیث ۱۶ر اکتوبر سنہ ۳۰ء)

اب جبکہ حضرت مسیح کی دو حیثیتیں ہیں۔ اور پھر یہ بھی صحیح ہے۔ کہ نصاریٰ کی پیش کردہ حیثیت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ تو اعتراض کیوں؟ اور اختلاف کیسا؟ (باقی دارد) (ابو العطاء)

دیانندی مشن

روح و مادہ حادث ہے

ذیل میں وہ دلائل درج کئے جاتے ہیں۔ جو روح و مادہ کے حدوث پر اسلام کی طرف سے ہم پیش کر سکتے ہیں:۔

پہلی دلیل:۔ قرآن مجید میں ایک جگہ لکھا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یعنی اللہ تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ یعنی تیرا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی طرح وید پرمیشور کو سرو شکتیمان یعنی قادر مطلق تسلیم کرتا ہے۔ اب قرآن مجید اور وید دونوں ایک بات پر جمع اور متفق ہو گئے ہیں۔ کہ پرمیشور قادر مطلق ہے اور مطلق اسکو کہتے ہیں۔ جس پر حد عائد نہ ہو سکے۔ پس دونوں کتابوں کا متفق ہونا کہ پرمیشور کی قدرت محدود نہیں۔ بلکہ بے حد ہے۔ ہم مسلمانوں اور آریوں کے لئے تو بڑی زبردست دلیل ہے۔ کہ نیست سے ہست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نیست سے ہست کرنا بھی ایک کام اور ایک قدرت نمائی ہے۔ اور پرمیشور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سرب شکتیمان یعنی قادر بے حد ہے۔ اس لئے یہ قدرت نمائی بھی وہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تم قدرت نمائیوں میں سے نیست سے ہست کرنے کا استثناء کرو گے اور کہو گے کہ یہ کام پرمیشور بھی نہیں کر سکتا۔ تو یاد رکھو۔ کہ تم نے مطلق کے مفہوم کو توڑ دیا۔ اور غیر محدود کو محدود اور بے حد کو حد لگا دی۔ اور وہ بھی بے دلیل۔ دیکھو جب میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا خدا زمین سورج۔ چاند ستارے اور ہزاروں آسمانی کرّے بنا سکتا ہے۔ یا نہیں؟ تو آریہ کہتے ہیں۔ کہ ہاں وہ قادر مطلق بنا سکتا ہے۔ پھر میں سوال کرتا ہوں۔ کہ کیا وہ اتنے بڑے بڑے پہاڑوں۔ دریاؤں۔ زمینوں۔ سورج۔ چاند وغیرہ کو ایک دم میں توڑ پھوڑ اور فنا کرکے مادہ کو غیر محسوس حالت میں لا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ تو آریہ فوراً بول اٹھتے ہیں۔ کہ ہاں وہ قادر مطلق اس پر قادر ہے۔ کہ ایک دم میں یہ کارخانہ الٹ پلٹ دے۔ اور پرلے کے وقت ایسا کیا بھی کرتا ہے۔ پھر جب میں گذارش کرتا ہوں۔ کہ کیا وہ ذات پاک ہماری طرح آلات کا محتاج ہے۔ یا اپنی بے نظیر طاقت سے سارے کام بغیر آلات کے کرتا ہے۔ تو آریہ صاف اقرار کرتے ہیں۔ کہ بے شک وہ پاک ذات بغیر آلات کے کام کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ مگر بغیر آنکھوں کے۔ وہ سنتا ہے مگر بغیر کانوں کے۔ وہ کام کرتا ہے۔ مگر بغیر ہاتھوں کے۔ لیکن جب میں یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ کیا وہ قادر مطلق وہ سرب شکتیمان نیست سے ہست بھی کر سکتا ہے۔ تو ساری سماجیں چیخ اٹھتی ہیں۔ کہ نہیں نہیں یہ کام پرمیشور نہیں کر سکتا۔ مگر میں ان الٹی منطق والوں سے پوچھتا ہوں۔ کہ جب وہ قادر مطلق اور سرب شکتیمان سب قدرت نمائیاں دکھا سکتا ہے۔ اور ہمارے خیال و واہمہ میں قدرت کے جو کرشمے آسکتے ہیں۔ وہ اس قادر بے حد سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ تم ایک خاص قدرت نمائی یعنی نیست سے ہست کرنے کا استثناء کرتے ہو۔ یہ تم کو کس نے سکھایا؟ اور کس مدرسہ میں تم نے یہ تعلیم پائی؟ پس پہلی دلیل اس امر کی کہ خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ قرآن مجید خدا کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر اور وید پرمیشور کو سرب شکتیمان یعنی قادر بے حد تسلیم کرتا ہے۔ پس پرمیشور کا قادر بے حد ہونا دلیل ہے۔ کہ نیست سے ہست بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نیست سے ہست ہونا بھی ایک قدرت نمائی ہے۔ اور پرمیشور قادر مطلق ہے۔ پس ہر قدرت کا کام قادر مطلق کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اور کسی ایک قدرت کا استثناء کرنا بھی محض ایک دعویٰ ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ایک لاف ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور قادر مطلق کی شان میں بے باکی ہے ہماری اس معقول دلیل کے جواب میں سوامی صاحب فرماتے ہیں:-

"مسلمان۔ خدا قادر مطلق ہے۔ اس لئے جو چاہے کر سکتا ہے۔

محقق۔ قادر مطلق کے کیا معنی؟
مسلمان۔ جو چاہے۔ سو کر سکے۔

محقق۔ کیا خدا دوسرا خدا بھی بنا سکتا ہے۔ اپنے آپ مر سکتا ہے۔ جاہل بیمار اور الاعلم بھی بن سکتا ہے"

(دیکھو ستیارتھ پرکاش باب چودھواں صفحہ ۶۷۱)

یہ ہے وہ جواب جو ہمارے استدلال کو توڑنے کے لئے سوامی دیانند مہرشی ۱۰۸ نے ستیارتھ پرکاش میں دیا ہے۔ اور یہی وہ جواب ہے۔ جو ہر مباحثہ اور مناظرہ اور ہر گفتگو میں آئندہ تم دیا کرتے ہو۔ اور کہا کرتے ہو۔ کہ اگر خدا کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ تو کیا خدا کوئی دوسرا خدا پیدا کر سکتا ہے؟ یا اپنے آپ کو معدوم کر سکتا ہے؟ اور جب ہم کہتے ہیں۔ کہ نہیں۔ تو کہتے ہو۔ کہ بس بس جب تم خود بعض باتوں پر خدا کو قادر نہیں سمجھتے۔ تو ہم کو کیوں الزام دیتے ہو۔ کہ نیست سے ہست کرنے پر آریہ خدا کو قادر نہیں سمجھتے۔ لیکن افسوس اے آریو! تم موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور خدا کی صفات بابرکات میں تم کو غور کرنا بھی نہیں آتا۔ سنو اور کان کھول کر سنو۔ کہ خدا قادر مطلق ہے۔ اور بے شک اسکی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ مگر خدا میں صرف ایک ہی صفت قادر مطلق ہونا نہیں۔ بلکہ وہ ذات برکات بہت سی صفات حسنہ کی جامع ہے۔ جس طرح وہ قادر مطلق ہے۔ اسی طرح وہ الحی۔ العلیم۔ السلام وغیرہ بھی ہے۔ پس ہم مسلمان اس کو صرف قادر مطلق ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسکی کسی صفت پر بھی حد نہیں لگاتے۔ اور اسکی غیر محدود ذات کی طرح اسکی ہر صفت کو غیر محدود مانتے ہیں۔ مگر ایک اصول اور ایک قاعدہ کے ماتحت اور وہ یہ کہ اسکی کوئی صفت اسکی کسی دوسری صفت کو کاٹتی نہیں۔ اور کہیں پر بھی اس کا کوئی وصف اس کے کسی دوسرے وصف کو باطل نہیں کرتا۔ پس اسکی قدرت بے شک غیر محدود ہے۔ اور وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ مگر اسکی طرف ایسا کام منسوب نہ ہوگا۔ جو اسکی کسی دوسری صفت کو باطل کرے۔ کیونکہ وہ صرف قادر مطلق ہی نہیں بلکہ تمام صفات حسنہ کا جامع ہے۔ اب اس اصول کے ماتحت سوامی صاحب کی پیش کردہ مثالوں کو یکے بعد دیگرے لو۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ بے شک وہ فنا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ کام اس سے صادر ہو۔ تو بقول سوامی صاحب وہ قادر تو ہوگا۔ مگر اسکی ایک اور صفت حسنہ باطل ہوگی۔ اور وہ خدا کا الحیّ اور الباقی ہونا ہے۔ پس وہ قدرت کیا ہوئی۔ جس نے خدا کی ایک دوسری صفت کو باطل کر دیا۔ پس ہم خدا کے فنا ہو سکنے کو اس لئے ناممکن سمجھتے ہیں۔ کہ یہ کام اسکی ایک اور صفت حسنہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس طرح وہ قادر مطلق ہے۔ اسی طرح الحیّ اور الباقی بھی ہے۔ پس قدرت تو بے شک بے حد ہے۔ مگر اس میں وہ امور شامل نہیں۔ جو قدرت کی طرح خدا کی کسی اور صفت کو باطل کر دیں۔ اسی طرح اس کا مثیل بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بات اسکی صفت لیس کمثلہ کے خلاف ہے۔ نیز وہ بیمار بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ امر اسکی صفت السلام یعنی تمام دکھوں اور نقصوں اور حوادث سے محفوظ ہونے کے منافی ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسی طرح وہ جاہل بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے اسکی صفت العلیم باطل ٹھیرتی ہے۔ غرض جسقدر مثالیں سوامی صاحب نے پیش کی ہیں۔ بے شک ہم ان کے امکان کے قائل نہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ خدا کی قدرت محدود ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ تمام باتیں خدا کی اور اعلےٰ صفات کے خلاف ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی کوئی صفت اسکی دوسری صفات کے خلاف عمل نہیں کر سکتی۔ مگر سوامی صاحب جس امر کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ یعنی نیست سے ہست ہونا وہ خدا کی کس صفت کے خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے سوامی صاحب مجبور ہیں۔ کہ اس امر کا قدرت سے استثناء کریں؟ کیا اگر نیست سے ہست کرے۔ تو اسکی کوئی صفت باطل ہوتی ہے؟ کیا اسکی قدوسیت پر دھبہ لگتا ہے؟ یا اس کے علیم ہونے پر بٹہ لگتا ہے؟ یا کیا اس کا رحیم ہونا زائل ہوتا ہے؟ غرض بتاؤ تو سہی کہ نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا اسکی کونسی پاک صفت کے خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے تم اس امر کو دائرۂ قدرت سے خارج کرتے ہو۔ ہاں جو مثالیں تم پیش کرتے ہو۔ وہ بے شک ناممکن اور دائرۂ قدرت سے خارج ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی دوسری پاک و بے عیب صفات کے خلاف ہیں۔ کیونکہ بیمار ہونا السّلام کے خلاف ہے۔ جاہل ہونا العلیم کے مخالف ہے۔ اور فنا ہونا الحی اور الباقی کے منافی ہے۔ اور مثیل کا پیدا ہونا لیس کمثلہ کی ضد ہے۔ اس لئے ہم ان امور کو دائرہ قدرت سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ امور اس لئے ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور قادر مطلق کی ذات سے اس وجہ سے ان امور کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ اسکی ان صفات کے خلاف ہیں۔ جو قدرت مطلقہ کے پہلو بہ پہلو کام کر رہی ہیں۔ مگر تم نیستی سے ہستی کا بلاوجہ انکار کرتے ہو۔ پس نیست سے ہست کرنے کو خدا کے فنا ہونے بیمار ہونے جاہل ہونے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نیستی سے ہستی خدا کی کسی پاک صفت کے خلاف نہیں۔ مگر یہ امور اسکی پاک صفات کے سراسر منافی پڑے ہوتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ قدرت سے مراد ہمیشہ وہ کام ہوا کرتے ہیں۔ جو عمدہ اور بڑے اور کرنے والے کی شان بڑھانے والے ہوں۔ اس لئے کبھی کوئی نہیں کہے گا۔ کہ میں بڑا قادر ہوں۔ کیونکہ میں ایک وار میں کئی مکھیوں کے سر الگ کر سکتا ہوں۔ اور ایک لقمہ میں دس پاپڑ توڑ سکتا ہوں۔ ہاں یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ میں میدان جنگ میں ایک سَو آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ پس پرمیشور کی قدرت سے مراد ہمیشہ اعلیٰ اور بے نظیر اور اس پاک ذات کی شان ظاہر کرنے والے کام مراد ہوں گے۔ پس بے شک کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اسکی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ اور اس کے جواب میں جائز نہیں۔ کہ کہا جاوے۔ کہ کیا وہ جاہل ہونے پر بھی قادر ہے؟ کیونکہ ہم کہیں گے۔ کہ قدرت تو اعلیٰ کاموں اور شان ظاہر کرنے والے اعمال میں ہوتی ہے۔ کیا جاہل ہونا کوئی خوبی ہے۔ کہ اس کے متعلق قدرت کا لفظ استعمال کیا جاوے؟ اسی طرح کسی کا حق نہیں کہ وہ کہے۔ کہ کیا پرمیشور اپنے جیسا خدا بنا سکتا ہے۔ کیونکہ مثیل ہونا اور نظیر ہونا تو نقص ہے۔ اور نقص کے کرنے پر قدرت کا لفظ ہی نہیں بولا جاتا۔ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ میں بڑا قادر ہوں۔ کہ میں ہر شخص سے خوب مار کھا سکتا ہوں۔ اور مجھے بڑی قدرت حاصل ہے کہ جب میں لڑتا ہوں۔ تو ضرور ہار جاتا ہوں۔ ایسے شخص کو ہر شخص پاگل کہے گا۔ کہ نقص کو خوبی اور کمزوری کو قدرت بتاتا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ کہنا ہی فضول ہے۔ کہ کیا پرمیشور فنا ہو سکتا ہے۔ یا اپنے جیسا خدا پیدا کرنے پر وہ قادر ہے۔ کیونکہ یہ کام نقص اور کمزوری ہیں۔ قدرت نہیں۔ اس لئے ان کے متعلق قدرت رکھنے یا قادر ہونے کے الفاظ استعمال ہی نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ یہ کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اور اسکی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ اور جو کام بھی قدرت والا یعنی اسکی شان کو ظاہر کرنے والا اس کی خوبیوں کو ممیّز کرنے والا ہے۔ وہ ضرور اس کے دائرہ قدرت میں ہے۔ ہاں کمزوری دکھانے عیوب میں ملوث ہونے سے وہ مبرّا و منزّہ ہے۔ اور آریہ سماج جن کاموں کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ خود ان کے نزدیک بھی عیوب اور نقائص ہیں۔ مگر نیست سے ہست کرنا ہرگز ان کاموں میں سے نہیں۔ جو کمزوری ثابت کرنے والے یا پرمیشور کی شان گھٹانے والے ہیں۔ اس لئے نیست سے ہست کرنا قدرت کہلاوے گا۔ اور چونکہ یہ کام شان بڑھانے والا اور محض جوڑنے توڑنے سے ہزار درجہ بڑھ کر اس مالک الملک کی بڑائی ظاہر کرنیوالا ہے۔ اس لئے یہ ضرور قدرت میں شامل ہے۔ ورنہ آریہ سماج کا فرض ہے۔ کہ وہ ثابت کرے۔ کہ نیست سے ہست کرنا بڑے ضعف اور کمزوری اور نقص کا موجب ہے۔ اور بڑا بھاری عیب ہے۔ جو قدرت کے لفظ کے ماتحت آ ہی نہیں سکتا۔ مگر یہ ثابت کرنا ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں کا مصداق ہے

(باقی دارد) (میر محمد اسحاق)

موذی مرض سیلان الرحم کیلئے زود اثر دوا

لیکورائن

لیکوریا یعنی سیلان الرحم کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ادویات آپ کو ملیں گی۔ میں اپنی محترم بہنوں کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتی ہوں۔ کہ لیکورائن ہر حالت میں آپکی سچی ہمدرد اور مددگار ہوگی۔ لیکورائن کے استعمال سے کمی خون۔ سر کا درد۔ چہرہ کی بے رونقی۔ کمر درد۔ سانس کا چڑھنا۔ دل کی کمزوری۔ نیلی پیلی رطوبت کا اخراج۔ بھوک کی کمی۔ گلہ کی خراش۔ نزلہ۔ کھانسی۔ دائمی قبض سب دور ہونگی۔ جسم میں نئی قوت اور نئی تازگی پیدا کر کے آپکی گود کو نایاب موتیوں سے مالا مال کر دیگی۔ ایک ماہ کی خوراک ۶ گولی دو روپیہ علاوہ محصول۔

ایل النساء بیگم حکیم حاذق معرفت احمدیہ یونان فارمیسی جالندھر کینٹ پنجاب۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

احمدی مشن

مسیح موعودؑ کی مقدس بستی میں رہائش کے فوائد

قادیان وہ مطہر و مقدس بستی ہے۔ جس کو خدائے عزوجل نے روئے زمین کی تمام بستیوں میں چنا۔ اور پھر اپنی ذات مستجمع الصفات سے اس کو اسقدر برکات و افضال سے مشرف کیا۔ کہ اپنے مقدس انسان حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے نزول قرار دیا۔ ہاں یہ وہ بستی ہے۔ جس میں دنیائے اسلام کا فرزند جلیل اور عالم روحانیت کا عظیم القدر تاجدار مرزا غلام احمدؑ قادیانی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق دنیا کے برگشتہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے مبعوث ہؤا۔ لہذا اس کو اگر چشمۂ فیض و ہدیٰ کہیں۔ تو عین بجا ہوگا۔ یہ وہ مورد ہے۔ جس میں سعادت مند فطرتیں اور بلبلاتی روحیں ارد ہوتی اور اپنی تشنگی کو دور کرتی ہیں اور اپنے تیرہ و تار قلوب کو انوار و ھدےٰ سے منور کر کامیاب و کامران با نیل مرام فرخنداں و شاداں واپس جاتی ہیں۔

اس حقیقت سے ہر کس و ناقص بخوبی آگاہ ہے۔ کہ جتنی بھی قدر و منزلت اس مقام کو خداوند ایزدی اور بنی نوع انسان کے نزدیک حاصل ہے۔ وہ صرف اس وجہ سے ہے۔ کہ یہ مقدس مقام خدا کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے نزول ٹھیرا۔ جیسا کہ حضرت اقدس کا ایک الہام بھی اس بات کی تائید کرتا ہے۔ کہ "لولا الاکرام لھلک المقام"

یعنی اگر اس مقام کی عزت ملحوظ خاطر نہ ہوتی۔ تو یہ کب کا ہلاک ہو گیا ہوتا۔ غرضکہ مسیح پاک کی اس بستی میں رہنا کثیر التعداد فوائد اور بیشمار برکات کا موجب ہے۔ مگر میں چند فوائد نمونہ کے لئے یک مشتے از خروارے کے طور پر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اوّل۔ سب سے پہلا فائدہ تو اس مقام پر رہنے کا یہ ہے۔ کہ قادیان ایک ایسی بستی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ کا فرستادہ مبعوث ہؤا۔ اور جس مقام پر اللہ تعالےٰ اپنا نبی مبعوث فرماتا ہے۔ اس مقام کی عزت و توقیر کو بھی ملحوظ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں رہنے والے کثیر انسان اس خدائے پاک کے مرسل کے پیرو و مقلد ہوں۔ اور اس بستی کو اپنے خاص فضل سے دارالامان کے اسم سے موسوم فرماتا ہے۔

دنیا میں سینکڑوں تباہیاں آئیں۔ ہزاروں زلازل کرۂ ارضی پر رونما ہو کر اسکو تہ و بالا کر دیں۔ آسمان سے لاکھوں مصائب مہیب شکل میں بنی نوع انسان پر نازل ہوں۔ مگر وہ بستی ہاں وہ مقدس بستی جس میں اس کا مقدس فرستادہ مبعوث ہوتا ہے۔ بالکل محفوظ و مامون رہتی ہے۔ کیونکہ محبوب حقیقی کو جس طرح اپنا مبعوث کردہ بندہ پیارا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ بستی کہ جس میں وہ سکونت پذیر ہوتا ہے۔ پیاری ہوتی ہے۔ پس قادیان بھی چونکہ مسیح پاک کی بستی ہے۔ اس لئے اس کو بھی خدا نے دارالامان قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا:-

"مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا"

یعنی جو اس میں داخل ہوگا۔ وہ ہر قسم کی آفات سماوی و ارضی سے محفوظ رہے گا۔

دوّم :- دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ قادیان میں رہنے سے ایمان کو تقویت اور دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے یہاں رہنے سے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پاکیزہ کلمات اور روح پرور خطبات سننے میں آتے ہیں۔ اور خداوند بزرگ و بالا کی غیر معمولی تائیدات کے دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جس سے مومن کے ایمان کو روز افزوں فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اور اسکا دل تمام دنیوی و سفلی آلائشوں سے مبرا و منزہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی خالص محبت کو جذب کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پھر آپس میں محبت و اخوت مہربانی و تلطف سے پیش آنے کا سچا اور حقیقی نمونہ قادیان میں نظر آتا ہے۔ اس مقام میں رہنے سے ایمان ہر قسم کے شیطانی وساوس اور دنیاوی حوادث و خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔

سوّم :- تیسرا فائدہ اس مقام میں رہنے سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ انسان دنیا کے تمام تر مذاہب باطلہ کے شدید سے شدید تر حملوں سے جو جو بچنے کی تدابیر ہو سکتی ہیں۔ ان سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کے سد راہ کے لئے کافی قوت اور مواد بہم پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں وسیع پیمانہ پر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شاندار لائبریری ہے۔ جس میں ہر قسم کی کتب موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ سے انسان پر نئے نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر قسم کے اعتراضات کے جواب پڑھنے سننے میں آتے ہیں۔ جو کہ میدان مبارزت میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور خاصکر اس دجال سے کہ جس کے وساوس اور مکائد و حیل سے بچنے کی تمام انبیاء و اولیاء وقتاً

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وقتاً فوقتاً تاکید کرتے چلے آئے۔ اور ہمارے سید و مولیٰ حضرت رسولِ عربی (فداہ امی و ابی) صلے اللہ علیہ وسلم نے تو خاص طور پر اپنی امت کو اس کے دامِ تزویر سے محفوظ رہنے کی تلقین کی تھی۔ یہاں پر رہنے سے اس کے تمام وساوس سے بچنے اور اسکو حجج نیرہ اور اَدِلّہ بالغہ کی رو سے شکست دینے کے لئے کافی ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے نووارد انسان کافی سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اپنے ایمان کو اس غیر متزلزل چٹان پر قائم کر لیتا ہے۔ جس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں ہوتا۔

چہارم۔ پھر چوتھا فائدہ قادیان کی رہائش سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ یہاں پر روحانیت کے غیر معمولی انتشار کی برکت سے صبح و مساء خداوندِ ایزدی کے آخری پیغام یعنی قرآن مجید کا درس ہوتا رہتا ہے۔ جس کے پڑھنے اور سننے سے مومن کے ایمان میں جس قدر ترقی حاصل ہوتی ہے۔ کسی اور ذریعہ سے ہونی محال ہے۔ پھر پابندئ صوم و صلوٰۃ کا یہ عالم ہے۔ کہ نووارد شخص جس کے دل میں کبھی خیال تک بھی نہ گزرا ہو۔ کہ نماز بھی کچھ حقیقت رکھتی ہے۔ وہ تمام لوگوں اور خاصکر بچوں کو محبوب حقیقی کی بارگاہ میں سچی عقیدت اور حقیقی والہیت سے سرِ نیاز جھکائے اور اپنی دینوی و آخری بہتری کے لئے عاجزانہ دعائیں مانگتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو اس کے دل میں بھی طبعاً نماز پڑھنے کی نیبی تحریک اٹھتی ہے۔ اور وہ بصد شوق و اضطراب مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اور خدائے وحدہٗ لا شریک کے حضور پیش ہوتا ہے۔ اور انتہائی درجہ منفعل و شرمسار ہو کر اپنے پچھلے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ اور آئندہ صوم و صلوٰۃ پر استقامت کی دعا کرتا ہے۔ جس سے اس کے دل کا زنگ اور سیاہی دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ مثل آئینہ مصفا ہو جاتا ہے۔

اور جسقدر بھی گناہ و معاصی اس سے گذشتہ ایام میں سرزد ہوئے تھے۔ اس کو خدائے رحیم و کریم معاف کرتا ہے۔ اور اسکو نیک کام کی توفیق بخشتا ہے۔

غرضکہ قادیان میں رہنے سے اس قدر برکات اور فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کہ ان کو اس مختصر مقالہ میں درج کرنا بھی لاحاصل ہے۔ میں نے یہ چند فوائد جو اپنی جامعیت کی وجہ سے اپنے اندر دلائل کا لاتعداد ذخیرہ رکھتے ہیں۔ صرف بطور نمونہ پیش کئے ہیں۔ ورنہ اسکی برکات و فوائد سے حقیقی طور پر وہ متمتع ہو سکتا ہے۔ جو یہاں رہائش اختیار کرے۔ اور ربّ السمٰوٰت کی غیر معمولی تائیدات و نشانات کا مشاہدہ کرے۔ میرے اس مختصر مضمون کی مثال اگر صحیح طور پر قائم کی جائے۔ تو بلا مبالغہ دریا میں سے قطرہ کے مترادف ہے۔ ورنہ قادیان وہ مقدس بستی اور پیارے رسول کا تخت گاہ ہے۔ جس کے فوائد کی انتہا نہیں۔ "ان تعدّوھا لا تحصوھا"۔

راقم ملک نذیر احمد ریاضؔ مولوی فاضل رکن مجلس انصار سلطان القلم قادیان

یادِ محبوب

(عالم تخیّل میں محبوب کی یاد)

(از سید عنایت حسن شاہ بخاری لائل پوری)

میں ایک رات کو تنہا بیٹھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر غور کر رہا تھا۔ آپ کی بعثت کا زمانہ اور زمانہ کے واقعات ایک ایک کر کے میرے سامنے آ رہے تھے۔ مجھے اس عالم تخیل میں عجب راحت اور لطف محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی دوستوں کی نوازشات کے منظاہرے۔ کبھی دشمنوں سے مقابلہ کبھی عیسائیوں کے مباحثات۔ غرض یہ حالت کچھ ایسی دماغ پر مسلط ہوتی گئی۔ کہ میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔ چلتے چلتے میرے کانوں میں نہایت دردناک غمزدہ صدا آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی نہایت دردمند اور مظلوم انسان درد کے مارے کراہ رہا ہے۔ آواز اس قدر نحیف اور کمزور تھی۔ کہ الفاظ پوری طرح سمجھ میں نہ آ سکتے تھے۔ جوں جوں قریب ہوتا جاتا تھا۔ اسکی دردناک صدائیں اور آہوں کا تسلسل بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے نے میری کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور میں باوجود ہزار کوشش کے اس آواز تک نہ پہنچ سکا۔ اچانک ایک طرف سے کچھ لوگوں کے چلنے کی آواز آئی۔ میں نے لوٹ کر دیکھا۔ تو بعض لوگ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے میرے قریب سے گذر گئے۔ ان کے گذرنے کے بعد ایک نہایت عظیم الشان مجمع قائم ہو گیا۔ لوگ میدان میں جمع ہونے شروع ہوئے۔ میرے دیکھتے دیکھتے انہوں نے سٹیج لگایا۔ اور تقاریر شروع کیں۔ ہر ایک تقریر کا عنوان علیحٰدہ تھا۔ مثلاً گناہ ہمہ گیر ہے۔ مسیح افضل ہے یا محمدؐ۔ الوہیت مسیح وغیرہ۔ ان کی تقاریر نہایت تعصب سے پُر تھیں۔ میں ابھی اسی خیال میں مستغرق تھا۔ کہ دوسری طرف سے شور اٹھا۔ اور بہت سے لوگ دوڑے چلے آ رہے تھے۔ بعض کی باتیں میری سمجھ میں اس طرح معلوم ہوتی تھیں۔ کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ بھارت ورش کی خدمت کرو۔ مسلمانوں کو اپنے وطن سے باہر نکال دو۔ اس کے بعد انہوں نے مذہبی نعرے لگانے شروع کئے۔ اس کے بعد ایک مقرر اٹھا۔ اور اس نے کہنا شروع کیا۔ نہ دنیا کی ابتدا ہے۔ نہ اسکی انتہا۔ لوگ اواگون کے چکر میں اپنی سزا کاٹینگے لیکن بعض مقررین کی تقاریر اتنی فحش تھیں۔ کہ ان کی بدزبانی اور فحش کلامی سے دنیا کا کوئی مذہبی رہنما نہ بچ سکا۔ زیادہ تر حملے اسلام کی صداقت پر تھے۔ ملہمین اور انبیاء پر تمسخر کیا جا رہا تھا۔ پیشگوئیوں پر ہنسی اڑا رہے تھے۔ اور بلند آواز سے کہتے تھے۔ اگر خدا پہلے زمانوں میں الہام نازل کرتا تھا۔ آج کیوں نہیں کرتا۔ کیا خدا مر گیا؟ یا جہلا طبع لوگوں کو ان کی عدم علمی کی وجہ سے گمراہ کیا گیا۔ کیا اس سوال کا کوئی جواب ہے؟

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں نے دیکھا۔ کہ ایک مقرر اٹھا۔ اور اس نے بے طرح بدزبانی کا مظاہرہ شروع کیا۔ اور اپنی ایک کتاب پیش کی۔ اور کہا۔ میں نے نہایت محنت سے اسکو تیار کیا ہے۔ ہر مذہب کے رہنماؤں اور مذہبوں کے متعلق اس میں چھان بین کی گئی ہے۔ آپ اسے پڑھیں۔ بھارت ورت کی آزادی کا راز میری کتاب میں مضمر ہے۔ اس کے بعد اس نے بڑی بڑی ضخیم کتب کی ورق گردانی شروع کی۔ اور انبیا علیہم السلام پر ظلم بدنظری۔ حبّ دنیا۔ نفس پرستی کے الزام لگائے میں نے دیکھا۔ مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا۔ اور کچھ لوگ احتجاج کے طور پر کھڑے ہو گئے۔ مگر جب مقرر نے کہا۔ کہ یہ میرے اعتراضات نہیں۔ بلکہ دیکھئے۔ تفاسیر میں سب کچھ لکھا ہوُا ہے۔ تو وہ لوگ نادم ہو کر بیٹھ گئے۔ بعض نوجوان بے ساختہ بول اٹھے۔ تفاسیر ہم پر حجت نہیں۔ یہ ابھی الفاظ پورے نہ ہوئے تھے۔ کہ جبّہ پوشوں کا ایک گروہ عصا ہاتھ میں لئے ان پر ٹوٹ پڑا۔ اور ان کو لہو لہان کر ڈالا نوجوان خاموش ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ اور پھر تقاریر شروع ہو گئیں۔

تھوڑی دیر میں ایک طرف سے پھر شور اٹھا۔ اور لوگ آنے شروع ہوئے۔ ان کے آگے ایک خوش وضع بوڑھا ہاتھ میں عصا لئے چلا آ رہا تھا۔ اور اس کے ہمراہ بہت سے نوجوان لوگ تھے۔ جو انگریزی لباس میں ملبوس تھے۔ جلسہ کی ایک طرف آ کر بیٹھ گئے۔ جب مقررین نے تقاریر ختم کیں۔ تو وہ بوڑھا سٹیج پر آیا۔ اور اس نے تقریر شروع کی۔ اس کی تقریر کا زیادہ تر حصہ سیاسی تھا۔ اس نے بہت کوشش کی۔ کہ مخالفین کو اعتراضات کا جواب دوں۔ مگر وہ بھی قانون قدرت کی آڑ لے کر قرآنی بیانات کو بے طرح مسل گیا۔ اس نے کہا۔ ملائکہ کا کوئی وجود نہیں دعا کا مسئلہ فضول ہے۔ تفاسیر اور متقدمین علماء قابل اعتبار نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام آگ میں نہیں ڈالے گئے تھے۔ تفسیر بالرائے کا حصہ تقریر میں بہت زیادہ تھا۔ تقریر کے اختتام پر اس نے مجمع سے پوچھا۔ کیا آپ کی تسلی ہو گئی؟ ایک گروہ نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہاں۔ ضرور۔ یہ نوجوان انگریزی تہذیب کے دلدادہ معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے گروہ نے کہا۔ مذہبی تقریر ہمارے زخموں کا اندمال نہیں کر سکی۔ ہاں سیاست میں ہم آپ کو اپنا لیڈر تسلیم کرتے ہیں۔ تیسرے گروہ نے بے تحاشا کہنا شروع کیا۔ کہ آپ کرسچین ہیں۔ نیچری ہیں۔ کافر ہیں۔ دجال ہیں۔ غرض ہر ایک بُرا خطاب ان کے لئے استعمال کیا گیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ یہ لوگ علمائے اسلام تھے۔ جب اس شور شر کے بعد پھر دوبارہ اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اور بوڑھے بزرگ کو للکارا گیا۔ تو اس نے اپنی ہمت کے مطابق جواب تو دیئے۔ مگر صوفیائے کرام کا ایک گروہ کھڑا ہو گیا۔ اور انہوں نے کہا۔ خشک منطق ہماری تسلی نہیں کر سکتی۔ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے۔ جو زار و قطار رو رہے تھے۔ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں۔ اور انہوں نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کی دردناک صدائیں اتنی مؤثر تھیں۔ کہ سنی نہ جاتی تھیں۔ اتنے میں مجھے پھر وہی پہلی دردناک آواز سنائی دی۔ جب میں نے نہایت غور سے سنا۔ تو لرزتی اور دردناک آواز کانوں میں پہنچی ؎

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آ مرے اے ناخدا
آ گیا وقتِ خزاں اس قوم پر اندر بہار
یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

ابھی یہ الفاظ ختم نہ ہوئے تھے۔ کہ ایک روشنی افق سے نمودار ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے اس کے نور سے زمین اور آسمان بھر گئے۔ میدان بقعۂ نور بنا ہوُا تھا۔ اس کے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز دم بدم بڑھ رہی تھی۔ یہ نظارہ دیکھ لوگ بے اختیار بول اٹھے۔ المدد المدد۔ اتنے میں ایک کڑکتی ہوئی آواز آئی۔

اسمعوا صوت السّماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آخر کار گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آنے لگی۔ اور دم بھر میں میدان فوج سے بھر گیا۔ میں نے دیکھا اس فوج کے لیڈر کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کی چمک سے زمین اور آسمان منور ہو رہے تھے۔ اسکو ہاتھ میں لئے مخالفین کے مجمع کی طرف بڑھا۔ اب لوگوں میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اور جس طرف کسی کا منہ اٹھا۔ چل دیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایک نوجوان مجمع میں سے نکلا۔ اور اس نے کہا۔ مَیں تمہاری تلوار کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کہا اور آگے بڑھا۔ فحش کلامی اور بدزبانی کا کوئی انتہا نہ تھا۔ خصوصًا فداہ ابی و امی پر بے طرح بہتان طرازی کر رہا تھا۔ لیڈر نے کہا۔ پاکوں پر زبان طعن دراز کرنا اپنے آپ کو فنا کرنا ہے۔ باز آ جاؤ۔ مگر وہ کہتا تھا۔ نہیں نہیں۔ محمدؐ کی کرامات دکھاؤ۔ لیڈر نے کہا ؎

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ

مگر اس نے اپنی فحش کلامی کو نہ چھوڑا۔ لیڈر نے کہا (چھ سال تک عید کے قریب) چھ سال کا عرصہ میرے دیکھتے دیکھتے گزر گیا۔ اور میں نے دیکھا۔ تو اسکی لاش تڑپ رہی تھی۔ اور انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل رہی تھیں۔ اسکی بوڑھی والدہ اور اسکی وفادار بیوی سرہانے کھڑی زار و قطار رو رہی تھیں۔ اور لیڈر کھڑا کہہ رہا تھا ؎

کرامت گرچہ بے نام و نشان است۔ بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ۔

اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ ایک گرانڈیل نوجوان میدان میں نکلا۔ اس نے بھی بدزبانی میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔ کہنے لگا۔ میں ایلیاہ کی مانند ہوں۔ تا کہ مسیح کی آمد کا راستہ صاف کروں۔ وہ نہایت دولتمند شخص تھا۔ اور ذی ثروت لوگ اس کے خیالات کے بہت پابند تھے۔ وہ بار بار کہتا تھا۔ اے خداوند خدا اسلام کو میری آنکھوں کے سامنے تباہ کر۔ اور مجھے یہ دن دکھا۔ اور جھوٹے مذہب کو مٹا دے۔ اسلام کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ تثلیث کا جھنڈا دنیا پر گاڑ دے۔ اس بزرگ لیڈر نے کہا۔ آؤ مل کر دعا مانگیں۔ دونوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا خدایا ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے۔ اسے جلدی تباہ کر۔ اور سچے مذہب کو دنیا میں عزت اور وقار بخش۔ یہ کہا اور دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے۔ ابھی لیڈر پیچھے نہ ہٹا تھا۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ دو تین آدمی اس گرانڈیل آدمی کو سنبھالے لئے جا رہے ہیں۔ اور وہ نہایت نحیف الجثہ معلوم ہوتا ہے۔ زور زور سے کھانس رہا ہے۔ کسی نے کہا۔ ابھی نو ماہ بھی نہیں گزرے۔ کیا ہوا۔ گرانڈیل جوان بولا۔ ہائے فالج نے تباہ کر دیا۔ اب زندگی کے چند دن ہیں۔ مگر اسکی صورت اتنے قلیل عرصہ میں اتنی بدل چکی تھی۔ کہ جوانی اور نوعمری کا اس پر گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے اسلام کو برباد ہوتا دیکھنے والا ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد میں نے سنا۔ اس کے حواری کہہ رہے تھے۔ دیکھو اس کے گھر سے شراب نکلی ہے۔ اور عیش و عشرت کا سامان۔ اس نے ہمیں دھوکا دیا۔ اور مفت میں لوگوں کو تباہ کیا۔

اتنے میں علماء اور گدی نشین بڑے بڑے جُبے پہنے ہاتھوں میں عصا سنبھالے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے آگے آگے ایک سفید رنگ کا ادھیڑ عمر کا شخص چلا جا رہا ہے۔ اسکی ڈاڑھی مہندی سے رنگی ہوئی ہے۔ اور چہرہ کا رنگ سرخی مائل۔ اس نے جاتے ہی لیڈر کو کہا۔ توبہ کرو۔ اب خدا کسی کو الہام نہیں کرتا۔ اور تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔ اس لیڈر نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ آئیے۔ پھر فیصلہ آسان ہے۔ دونوں خدا سے فیصلہ چاہیں۔ اگر آپ نے بالمقابل دعا مانگی۔ تو ضرور خدا تمہیں ان دونوں کی طرح ہلاک کریگا۔ کیا آپ کو منظور ہے۔ اس نے جواب میں کہا۔ سوچ کر جواب دونگا۔ لوگ جب یہ سنکر واپس ہوئے۔ تو انہیں نہایت شرمندگی ہوئی۔ میں نے دیکھا۔ ایک گروہ نے طعن و تشنیع کرنا شروع کیا۔ مولوی صاحب اب کیوں ڈرتے ہو۔ ہمارے چندے آپ نے کھائے۔ اور من مانی کارروائیاں کیں۔ اب چلو۔ اور دعا بالمقابل مانگو۔ یہ کہا۔ اور مولوی صاحب کو لوگوں نے دونو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اور جس طرف لیڈر کھڑا تھا۔ کشاں کشاں لانے لگے۔ مولوی صاحب چلاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ خدا کے لئے چھوڑ دو۔ کیوں میری جان کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ ہائے مجھے چھوڑ دو۔ غلام دستگیر قصوری نہ بچا۔ اسمٰعیل علیگڑھی نہ بچا۔ میں اگر نادان ہوتا۔ تو اس دعا کو قبول کرتا۔ جان بوجھ کر مجھے موت کے منہ میں دھکیلتے ہو۔ کسی نے کہا۔ پھر تم کیوں کہتے ہو۔ سچے کی زندگی میں جھوٹا مر جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ وہ کہتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ سچے بھی جھوٹے کی زندگی میں مر جاتے ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذاب و اسود عنسی۔ آخر لوگ کھینچ کر لیڈر کے پاس لے گئے۔ لیڈر نے کہا۔ آپ کو منظور ہو۔ تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیے۔ میں نے دیکھا۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے۔ ہائے میرے اللہ بچاؤ۔ اجی حضرت۔ نبی تو رحیم کریم ہوتے ہیں۔ آپ میری جان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ اور دانت نکال کر منت سماجت کرنے لگے۔ لیڈر نے کہا کیا تمہیں ہماری دعا منظور نہیں۔ مولوی صاحب بولے۔ نہیں جی۔ ہرگز نہیں۔ مجھ سے آپ نے کب پوچھا۔ اور پھر یونہی دعا مانگنی شروع کر دی۔ معاف کیجئے۔ میرے خیال میں تو کذاب کو لمبی عمر دی جاتی ہے۔ تا وہ اس عرصہ میں اور بھی بُرے کام کرے۔ یہ کہا۔ اور جس طرف سے آئے تھے۔ چل دیئے۔

میں نے دیکھا۔ ایک مسجد میں بعض نوجوانوں نے مولوی صاحب کو پکڑا ہوا تھا۔ اور کہہ رہے تھے۔ بتاؤ کذاب کون ہوا۔ بدکاروں کو کس نے مہلت دی۔ بدکار کون ہوا۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے۔ وہی لیڈر۔ کیونکہ اس نے دعا مانگی تھی۔ میں زندہ ہوں اور وہ مر گیا۔ کسی نے کہا۔ کہ جناب مولانا اس دن تو آپ منظور نہ کرتے تھے۔ اور دانا بن بیٹھے تھے۔ اب کیا خیال آیا۔ ایک چھوٹا سا بچہ بولا۔ نہیں نہیں۔ مولانا وہ دعا دکھاؤ۔ جو تم نے بالمقابل مانگی تھی۔ کہنے لگے۔ نہیں اصل میں تو یک طرفہ دعا تھی۔ اور اس کا اثر ظاہر ہو گیا۔

پھر وہ بچہ بولا۔ اگر یک طرفہ تھی۔ تو تمہاری منظوری یا عدم منظوری کی کیا ضرورت تھی۔ لیڈر تو فرماتے تھے۔ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو۔ پہلے مرتا ہے۔ اگر مباہلہ نہ ہو۔ تو ضروری نہیں کہ تمام کاذب صادق کی زندگی میں مریں۔ ہاں مباہلہ کی صورت میں صادق کی زندگی میں مرنا ضروری ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے۔ ہم کیا صادق نہیں۔ کسی نے کہا۔ تم نے لیڈر کا فیصلہ کہ آؤ مباہلہ کریں۔ اور جو کاذب ہوگا۔ صادق کی زندگی میں مر جائیگا۔ قبول نہ کیا۔ اس لئے مباہلہ کی صورت نہ رہی۔ اور تم نے اپنا فیصلہ دیا۔ کہ کاذب اور بدکار کو لمبی عمر دی جاتی ہے۔ تا وہ اور بھی بُرے کام کرے۔ اس بزرگ ترین لیڈر نے انکار نہ کیا۔ اس لئے خدا نے تمہارے مقرر کردہ فیصلہ پر فیصلہ کیا۔ اور آج تم ہی کاذب ہو۔ اور مسیلمہ کذاب و اسود عنسی کے مثیل۔

یہ الفاظ کچھ اس طرح ادا کئے گئے۔ کہ مسجد میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ کہہ رہے تھے۔ بچے نے کیسا پچھاڑا۔ میں نے دیکھا۔ ایک اور شخص بڑا خوبصورت مسجد کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ اور اس بچے کی انتظار میں تھا۔ جب بچہ مسجد سے باہر نکلا۔ وہ شخص اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ اور کہا۔ اندھیری رات میں میری دردناک آواز تیرے باپ نے سنی۔ میری امداد کو پہنچا۔ اب میں جوان ہوں۔ مجھے کوئی دکھ نہیں۔ درد نہیں۔ میرا نام اسلام ہے۔ بچہ بولا۔ میں تجھے یورپ کی وادیوں میں پہنچاؤں گا۔ جہاں تیرے بانی کے نام پر آوازے کسے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ صل علیٰ اور توحید کی سزا بلند کروں گا۔ خدا نے احیائے اسلام کو میرے ہاتھ پر مقدر کیا ہوا ہے۔ انشاء اللہ یورپ فتح ہوگا۔ اور تیرا جھنڈا تثلیث کی وادیوں میں اپنی نرالی شان سے لہرائیگا۔ کسی نے کڑکتی آواز میں کہا۔ زندہ باد محمود! اور اس کے بعد تخیل کا نظارہ ...